www.urdufanz.com
باورچی خانے میں لاش
اشتیاق احمد
لاش

محمود، فاروق، فرزانہ
اور — انسپکٹر جمشید سیریز
باورچی خانے میں لاش
اشتیاق احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی تم میں سے اپنے بچھونے پر لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے تہبند کا کنارہ کھولے اور اس سے اپنا بچھونا جھاڑے (اس سے یہ غرض ہے کہ کوئی کیڑا یا کانٹا وغیرہ بچھونے پر ہو تو وہ دفع ہو جائے)

سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۲۴، حدیث نمبر ۷۶۵

نام ناول ـــــ باورچی خانے میں لاش
طابع ـــــ اشتیاق احمد
کتابت ـــــ سعید نامدار
سرورق ـــــ محمد مقصود غنید
قانونی مشیر ـــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز

السلام علیکم!

"باورچی خانے میں لاش" حاضر خدمت ہے۔ لاش آپ کو پسند آئے گی یا نہیں، کہ نہیں سکتا — آپ کی پسند کا مسئلہ جو ٹھہرا — یوں لاش کو پسند کرنا کوئی اچھی بات نہیں، لوگ تو زندہ جاویدوں کو پسند نہیں کرتے — اتنا ضرور کہوں گا، ایک چیز مدتوں کے انتظار کے بعد ملے تو مزا دیتی ہے۔ "باورچی خانے میں لاش" کا آپ نے ایک زمانے تک انتظار کیا، خط پر خط لکھے — چلیے، آپ کا انتظار ختم اور میرا انتظار شروع — غلط سمجھے، مجھے لاش واش کا انتظار نہیں، آپ کے ان خطوط کا انتظار ہے جو مجھے نئی دنیا کی سیر کرا دیتے ہیں — شکریہ!



# فواد ہاشمی

خط کے الفاظ عجیب تھے۔ وہ چکرا کر رہ گئے اور ایک بار پھر پڑھنے لگے، لکھا تھا،

"گھر میں ایک چور موجود ہے، وہ یہاں سے کوئی چیز چرانا چاہتا ہے، خدا کے لیے جلد پہنچو اور اسے وہ چیز چوری کرنے سے روک دو، یہ کام تم اور صرف تم کر سکتے ہو۔"

پتا: لاج روڈ۔ کوٹھی نمبر ۵۱۲۔

"کیا بات ہے، بھئی، یہ تم تینوں سر جوڑے کیا دیکھ رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ سیدھے ہو گئے۔ ان کے والد کمرے میں داخل ہو رہے تھے، بیگم جمشید بھی ان کے پیچھے تھیں۔

"ابا جان! یہ ایک خط ہے؟" فرزانہ نے انہیں بتایا۔

"خط! کس کے نام؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"لفافے پر ہم تینوں کے نام لکھے ہیں، ڈاک سے آیا ہے۔"

خط آپ بھی دیکھ لیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا خط میں کوئی عجیب بات لکھی ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا اور خط لینے کے لیے ہاتھ آگے کر دیا۔

"کم از کم ہمیں تو ضرور عجیب محسوس ہوئی ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے خط کے الفاظ غور سے پڑھے اور پھر کچھ سوچنے لگے، آخر بولے۔

"اگر تم یہاں جانا چاہو تو جا سکتے ہو.... خط لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا، لیکن پتا ضرور لکھا ہوا ہے۔"

"اور اگر ہم اس چور کو پکڑ لیں تو کیا پولیس کے حوالے کر دیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، اس کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر کلائی پہ بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"مجھے تمہاری امی کے ساتھ ایک عزیز کے ہاں جانا ہے، ہم تو تمہیں بھی ساتھ لے جانے کے لیے آئے تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ اب تم تینوں خط والے پتے پر جانا چاہو گے۔"

"عزیز کے ہاں کوئی خاص بات تو نہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! دور کے رشتے دار ہیں، کئی بار آنے کی دعوت دے چکے ہیں، آج فرصت تھی، اس لیے جانے کا پروگرام بنا



لیا، ابھی آدھ گھنٹے بعد تیار ہو کر چلے جائیں گے۔ تم اگر ہم سے پہلے جانا چاہو تو بتا دو تاکہ ہم تالا لگا جائیں۔"

"جی ہاں! ہم اسی وقت جا رہے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا

انسپکٹر جمشید مسکرائے، بیگم جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"میں جانتا ہوں، اب تم رک نہیں سکو گے، اگر کوئی مشکل پیش آ جائے تو مجھے فون کر دینا۔"

"جی بہتر!" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"مجھے تو اب یوں لگنے لگا ہے جیسے آپ کے ساتھ یہ تینوں بھی ملازم ہو گئے ہوں۔" بیگم جمشید نے سرد آہ بھری۔

"بیگم یہ ان کا شوق ہے، اب میں انہیں کیسے روکوں اور پھر بڑے ہونے پر یہ شوق ان کے کام بھی تو آئے گا، اچھی پوسٹوں پر ملازم ہو جائیں گے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ جائیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آیئے ہم جانے کی تیاری کریں، ان تینوں کو تو وہاں جانے کے لیے تیاری کی ضرورت ہی نہیں۔"

"ضرورت ہے امی جان! کم از کم اپنے ہتھیار تو ساتھ لینے ہی پڑیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرا خیال ہے یہ سیدھا سادا چوری کا کیس ہے، کوئی خطرناک صورت پیش نہیں آئے گی۔" محمود نے کہا۔

"سیدھے سادے کیس کو خطرناک صورت اختیار کرتے دیر نہیں لگتی۔" فاروق نے کہا۔

"فاروق کا خیال ٹھیک ہے، تمہیں محتاط رہنا چاہیئے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور بیگم جمشید کے ساتھ ان کے کمرے سے نکل گئے۔

"ہماری زندگی بھی کیا زندگی ہے، اگر کبھی فرصت ملتی ہے تو لوگ خط لکھ کر بلا لیتے ہیں، نہ جانے انہیں کس طرح یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دنوں ہمیں فرصت ہے۔" فاروق منمنایا۔

"ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی اس قسم کی مصروفیت نکلتی رہے، اب دیکھ لو، ابا جان اور امی جان کے ساتھ جانے کی بجائے ہم وہاں پہنچ جانے کے لیے بے چین ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کم از کم میں تو بے چین نہیں ہوں، ہاں وہاں جانے کے لیے بے تاب ضرور ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"شروع ہو گیا مذاق۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"نہیں تو میں نے تو دیکھا نہیں شروع ہوتے۔" فاروق نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب چلو بھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

انہوں نے جلدی جلدی اپنے کھلونا نما ہتھیار جیبوں میں ڈالے اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ظاہر ہے، جیپ نہیں لے جا



سکتے تھے، وہ سرکاری کاموں کے لیے تھی، اور ابھی یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ یہ معاملہ سرکاری نوعیت کا ہے یا نہیں یوں بھی انہیں جیپ چلانا نہیں آتا تھا اور انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ نہیں جا رہے تھے۔ اس لیے انہیں ٹیکسی ہی پکڑنا پڑی۔ وہ ان دنوں جیپ چلانا ضرور سیکھ رہے تھے، لیکن ابھی ماہر نہیں ہوئے تھے۔

"لاج روڈ۔" فاروق نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کوٹھی نمبر پانچ سو بارہ۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں صرف سات منٹ بعد لاج روڈ پر کوٹھی نمبر پانچ سو بارہ کے سامنے پہنچا دیا۔ وہ نیچے اترے، بل ادا کیا اور پھاٹک کی طرف بڑھے۔ کوٹھی بہت عالی شان تھی، اور شاید صرف تین چار سال پہلے بنوائی گئی تھی۔ پھاٹک پر دائیں جانب نام کی پلیٹ لگی تھی اور اس پر لکھا تھا۔

فواد ہاتی۔

ٹھیکیدار

کوٹھی سے تازہ رنگ و روغن کی بو آ رہی تھی، شاید آج کل میں ہی رنگ کیا گیا تھا۔

تینوں نے نام پڑھنے کے بعد ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آخر محمود نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ جلد ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک سفید ڈاڑھی والے بوڑھے کی صورت دکھائی دی۔ اس کے کندھے پر ایک میلا سا تولیہ لٹک رہا تھا، جس پر جگہ جگہ سالن کے دھبے تھے۔ اس نے تینوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر بولا۔

"کیا بات ہے بھئی، سکول کے لیے چندہ لینے کے ارادے سے آئے ہو کیا، اگر یہی بات ہے تو کان کھول کر سن لو، ہاتی صاحب آج تین مرتبہ بچوں کو چندہ دے چکے ہیں، چوتھی بار وہ ہرگز نہیں دیا کرتے، یوں بھی اس وقت وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ شام کی چائے پی رہے ہیں، تم یوں کرو کہ کل آ جانا۔" وہ رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے بابا؟" محمود نے اس کی باتوں کا جواب دینے کی بجائے نیا سوال کر ڈالا۔

"کیوں! تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟" بوڑھا چونکا۔

"پہلے نام بتائیے۔" محمود بولا۔

"میرا نام اسلام دین ہے، بچپن میں گھر والے سلامو کہا کرتے تھے، ابھی تک میرے دوست مجھے سلامو ہی کہتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ مجھے اسلام دین کی بجائے سلامو اچھا لگتا ہے، نام بتایا ہے تو



یہ بھی بتا دوں کہ میں ہاتی صاحب کا باورچی ہوں اور ابھی ابھی انہیں چائے پہنچا کر فارغ ہوا تھا کہ تم لوگوں نے گھنٹی بجا دی۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی سلامو بابا اور اس لیے اور بھی زیادہ خوشی ہوئی کہ اب ہمیں اپنے بھائی فاروق سے کوئی شکایت نہیں رہ گئی۔ ہم تو اب تک یہی سمجھتے رہے تھے کہ وہ رکے بغیر بولتے چلے جانے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا، لیکن آج ہمارا خیال غلط ثابت ہو گیا۔"

"اوہ! مجھے بہت افسوس ہے، میری اس عادت سے سبھی پریشان رہتے ہیں۔ خیر کل آپ آ جائیے گا۔"

"ہم کسی سکول کے لیے چندہ لینے نہیں آئے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر خود اپنے لیے لینے آئے ہو گے۔" بوڑھا اسلام دین بولا۔

"نہیں! چندے کی بات ہے ہی نہیں، ہمیں ہاتی صاحب سے ملنا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں ملنا ہے، پہلے یہ بتا دیں، کیوں کہ ہاتی صاحب بتائے بغیر کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔"

"ان سے جا کر کہہ دیں، انہوں نے جنہیں بلایا تھا، وہ آ گئے ہیں۔" محمود نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

"ارے! آپ لوگوں کو خود ہاتی صاحب نے بلایا ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! خدا کے لیے اب تو جا کر انہیں بتا دیں۔"

"آپ کے نام کیا کیا ہیں؟"

"ہمارے نام انہیں معلوم ہیں۔"

"اچھی بات ہے، میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔" اسلام دین نے کہا اور واپس مُڑ گیا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"عجیب بوڑھا ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ کہو عجیب باتونی بوڑھا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور یہ فواد ہاتی بھی عجیب سا نام ہے، ہاتی سے ہاتھی یاد آتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو یاد کر لو ہاتھی کو، کس نے روکا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میرا اس وقت ہاتھی کے شکار پر جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"تو مچھلی کے شکار پر چلے جاؤ۔" فاروق بھلا کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"جب ہمارے پاس باتیں کرنے کے لیے کوئی موضوع نہیں ہوتا تو ہم اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتے ہیں، گھسے گھساتے



چلے بولنے لگتے ہیں۔" فرزانہ نے ناک بھوں چڑھائی۔

"موضوع ہمارے پاس موجود ہے، یہ اور بات ہے کہ ہم اس کی طرف جان بوجھ کر نہ آ رہے ہوں۔ آخر ہم اس خط اور خط کے الفاظ پر کیوں بات نہیں کرتے، ہم نے اس کے الفاظ کو غور سے تو ضرور پڑھا ہے، لیکن اس سے آگے غور نہیں کیا۔" محمود نے سنجیدہ لہجہ اختیار کر لیا۔

"اس سے آگے غور کرنے کے بعد ہی تو ہم یہاں کھڑے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! لیکن ...."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت کھلے دروازے میں سے بوڑھا آتا نظر آیا تھا۔ اس کا چہرہ مارے غصے کے سرخ تھا۔ آنکھیں نفرت سے سکڑ گئی تھیں۔ وہ بوکھلا گئے، ابھی ابھی تو بوڑھا سلامو بڑے خوش گوار موڈ میں دروازے پر آیا تھا۔

"تم تینوں جھوٹے ہو، بے ایمان ہو، تمہارا جھوٹ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ہاتی صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے کسی کو نہیں بلایا اور نہ وہ تمہیں جانتے ہیں۔"

"ارے!" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

لیکن اتنی دیر میں دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ کھڑے ایک دوسرے کو احمقوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔

---



# بھورا چکے

"یار! یہ تو بہت بڑی ہوئی۔" فاروق نے جھینپ کر کہا۔

"غلطی ہماری ہے۔ ہمیں یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ حاتی صاحب نے ہمیں بلایا ہے اور وہ ہمیں جانتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس میں غلط کیا ہے، خط کے الفاظ سے تو یہی ظاہر ہے۔" فرزانہ کی آواز میں تیزی تھی۔

"ہو سکتا ہے، خط گھر کے کسی اور فرد نے لکھا ہو، جیسے حویلی کا خط والے کیس میں ہوا تھا۔" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، خیر ایک بار پھر دستک دے کر دیکھ لیتے ہیں۔"

"بوڑھا ہماری صورتیں دیکھ کر ہی دروازہ بند کر دے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" محمود نے کہا اور گھنٹی بجا دی۔

چند لمحے بعد دروازہ پھر کھلا اور بوڑھے سلامو کا چہرہ نظر آیا انہیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ غصے سے تن گیا۔ اس نے

فوراً دروازہ بند کرنا چاہا، لیکن محمود نے جلدی سے دروازے میں ٹانگ اڑا دی۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" بوڑھا جھنجھلا اٹھا۔

"کم از کم چندہ نہیں چاہتے۔"

"تو پھر؟" سلامو کے منہ سے نکلا۔

"ہمیں واقعی بلایا گیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہاتمی صاحب کی بجائے گھر کے کسی اور آدمی نے بلایا ہو، یہ دیکھیے، ہمارے پاس خط ہے۔" محمود نے جیب سے خط نکال کر دکھایا۔

"میں پڑھنا نہیں جانتا، میرے باپ دادا بھی اَن پڑھ تھے، البتہ نئے زمانے کی روشنی سے مجبور ہو کر میں نے اپنی بیٹی کو ضرور سکول میں داخل کر دیا ہے۔" سلامو کی رو شاید پھر بہک گئی۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا، تعلیم کے بغیر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"تم مجھے حیوان کہہ رہے ہو؟" سلامو تقریباً چلا اٹھا۔

"ارے نہیں! میں نے تو ایک عام بات کہی تھی۔" اس نے جلدی سے کہا۔ پھر بولا۔

"اچھا اب آپ مہربانی فرما کر یہ خط ہاتمی صاحب کو دکھا دیں۔ پھر وہ ضرور ہمیں اندر بلا لیں گے۔"



"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا، لیکن پہلے اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے۔"

"اچھا! دے دیں۔" فاروق کے لہجے میں شرارت اتر آئی۔

"کیا دے دوں؟" اسلام دین نے حیران ہو کر کہا۔

"میرے الفاظ! آپ ہی نے تو کہا ہے کہ مجھے اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے۔"

"ارے تو کوئی اس طرح بھی الفاظ واپس ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو پھر کس طرح واپس ہوتے ہیں؟" فاروق جلدی سے بولا۔

"اوہ! شاید تم مذاق کر رہے ہو.... ٹھہرو میں ابھی خط دکھا کر آتا ہوں۔" اس نے کہا اور تیزی سے مڑ گیا۔

"تم نے دیکھا، یہ کتنی تیزی سے مڑا ہے۔" اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد محمود نے کہا۔

"ہاں تو پھر! اس سے کیا ہوتا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"اتنے بوڑھے آدمی سے اتنی تیزی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔" محمود نے کہا۔

"تو تم کچھ کم تیزی کی امید رکھ لو۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، ہمیں اندر نہیں بلایا جائے گا۔"

"دروازے پر سے ہی ٹرخا دیا جائے گا:" فرزانہ سوچ میں کھوئی ہوئی بولی۔

"تمہارا خیال غلط ہے، یہ نہ بھولو کہ وہ شخص بھی گھر میں موجود ہے جس نے ہمیں خط لکھا ہے، وہ ضرور یہ چاہے گا کہ ہمیں اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے:" محمود بولا۔

"ہاں! تمہارا یہ خیال ٹھیک ہے:" فرزانہ نے کہا۔

"یہ تم دونوں خیال کے پیچھے کیوں پڑ گئے، کچھ خواب کی بھی بات کر لو:" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"خواب تم دیکھ لو۔ ہمیں خیال میں ہی رہنے دو۔"

"اچھا!" فاروق نے ایسے لہجے میں کہا جیسے محمود نے اسے کوئی کام کرنے کے لیے کہا ہو۔

اسی وقت بوڑھا اسلام دین دروازے کی طرف آتا نظر آیا۔ اس نے آتے ہی کہا:

"ہاشمی صاحب تمہیں بلا رہے ہیں:"

تینوں حیرت زدہ رہ گئے۔ بوڑھے اسلام دین کا رنگ اڑا ہوا تھا، بلکہ انہوں نے اس کے بدن میں کپکپی بھی محسوس کی۔

"کیا ہوا بابا، خیر تو ہے۔"

"وہ خط پڑھ کر تو بھی پریشان ہو گئے ہیں:" اس نے



جواب دیا۔

"لیکن تم تو ان پڑھ ہو:" فاروق نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"ہاشمی صاحب نے بلند آواز میں خط پڑھا تھا، خیر تم چلو:"

تینوں اندر داخل ہوئے، بوڑھا ان کے آگے آگے چل رہا تھا، لیکن اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

○

ڈرائنگ روم ایک ہال کمرے کی مانند تھا۔ اس کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑی مستطیل میز بچھی تھی، میز کے ارد گرد کرسیاں تھیں، لیکن اس وقت تمام کرسیاں پُر نہیں تھیں، آدھی سے زیادہ خالی تھیں، شام کی چائے پینے والے اس کمرے میں اس وقت صرف پانچ افراد تھے، اسلام دین انہیں لیے کمرے میں داخل ہوا تو سب کی نظریں ان پر جم کر رہ گئیں۔ چہروں پر حیرت جھلکنے لگی۔

"تو یہ ہیں وہ تینوں!" ان میں سے ایک نے کہا۔ اس کے جسم پر ایک ہنرین سوٹ تھا، چہرے پر بارعب قسم کی مونچھیں تھیں اور ہاتھوں کی موٹی موٹی انگلیوں میں نگینے جڑنا

انگوٹھیاں ۔ شاید وہی فواد ہاتی تھا۔

"ابا جان! میں کہہ چکی ہوں کہ یہ خط انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا ہو گا تاکہ اندر تک آنے کا موقع نصیب ہو جائے، بے چارے واقعی ضرورت مند معلوم ہوتے ہیں، انہیں کچھ دے کر رخصت کر دیں۔" اس آدمی کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے کہا، اس نے چائے کا کپ بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا، اس کے جسم پر بھی بہترین ریشمی لباس تھا، بال بڑے سلیقے سے بنائے گئے تھے جو اس کے کندھوں پر جھول رہے تھے، اس کا رنگ سرخ اور سپید تھا اور وہ بہت بھولی بھالی اور پیاری سی لگ رہی تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں ہلکا سا غم تھا۔

"محترمہ! کھانے پینے کے لیے دائیں ہاتھ کو استعمال کرنا چاہیئے۔"

فاروق کے منہ سے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک چیخ بھی نکلی اور وہ اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی نے چائے اس کے منہ پر دے ماری تھی۔

"ارے بیٹی! یہ کیا کیا؟"

کمرے میں موجود ایک اور آدمی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا، یہ ایک پتلا دبلا نوجوان تھا، البتہ اس کی شکل مونچھوں



والے آدمی سے ملتی تھی۔ اس نے فاروق کے ہاتھ ہٹا کر دیکھے، اس کے چہرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ شاید چائے زیادہ گرم نہیں تھی۔

"آنکھوں میں تو نہیں گری چائے۔" نوجوان نے پوچھا۔

"نہیں، آنکھیں چائے گرنے سے پہلے بند ہو گئی تھیں۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری وجہ سے ان لوگوں کو تکلیف پہنچی ہے بیٹی، ان سے معافی مانگو، انہیں بیٹھنے کے لیے کہو، اب یہ ہمارے ساتھ چائے پئیں گے اور اس کے بعد میں ان سے پوچھوں گا، انہیں کس قدر چندے کی ضرورت ہے۔"

"ہم چندا لینے نہیں آئے۔" فرزانہ نے چلا کر کہا۔ اسے اس لڑکی پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا، آگے بڑھ کر اسے بالوں سے پکڑ لے اور اس کی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

"تمہیں شاید میری بچی پر غصہ آ رہا ہے ... تم تینوں چندا لینے نہیں آئے، خیر... تب بھی بیٹھ جاؤ، میں بتاتا ہوں میری بچی نے تمہارے ساتھی کے منہ پر چائے کیوں دے ماری، لیکن پہلے میں تعارف کرا دوں، میں ہی فواد ہاتی ہوں۔" مونچھوں والے آدمی نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا،

"یہ میری بیٹی ہے.... یہ اس کے چچا ہیں، یعنی میرے چھوٹے بھائی" اس نے پتلے دبلے نوجوان کی طرف اشارہ کیا، ان کا نام شہزاد ہاشمی ہے اور میری بیٹی کا روبینہ ہاشمی، یہ عارف بھائی ہیں، میرے سیکرٹری اور یہ عرفان قادری ہیں، میرے بہت گہرے دوست، یہ تو تھا، تعارف، اب تم میری بچی کا دایاں ہاتھ دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر اس نے روبینہ ہاشمی کا بازو اوپر کر کے دکھایا اور وہ چونک اٹھے، ہاتھ بازو کے آخری سرے تک بالکل سوکھا ہوا تھا جیسے کسی سرکنڈے پر کھال منڈھ دی گئی ہو اور یہ بالکل بے جان تھا، فواد ہاشمی نے اسے چھوڑا تو نیچے گر گیا۔ روبینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرزانہ کو اس پر ترس آنے لگا، جب کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے شدت سے غصہ آ رہا تھا۔

"اوہ!" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ اسلام دین نے ان کے آگے بھی چائے کے کپ رکھ دیے۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ آخر فواد ہاشمی نے کہا

"اور اب تم لوگ بتاؤ، کس سلسلے میں آئے ہو۔"

"کیا آپ نے وہ خط ملاحظہ نہیں فرمایا جو ہم نے بابا اسلام دین کے ہاتھ بھیجا تھا؟"



"ہاں! خط پڑھ چکا ہوں، لیکن اس خط کے الفاظ میری سمجھ سے باہر ہیں.... کیونکہ میرے گھر میں سرے سے کوئی چور موجود نہیں، میرے، میری بیٹی کے اور میرے بھائی کے سوا یہاں صرف دو ہی تو آدمی اور ہیں، میرے سیکرٹری عارف بھائی اور میرے دوست عرفان قادری، بھلا یہاں چور کا کیا سوال...."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سخت نقش و نگار والا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے اندر آتے ہی کہا۔

"گاڑی سروس کرا لایا ہوں جناب!"

"بہت خوب شاکے۔ اب تم آرام کرو۔"

"شکریہ جناب!"

شاکے نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ مڑتے مڑتے اس کی نظر ان تینوں پر پڑ گئی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ کون لوگ ہیں جناب؟"

"کیوں؟.... تم نے ان کے بارے میں کیوں پوچھا۔" فواد ہاشمی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ان کی شکلیں جانی پہچانی سی لگتی ہیں۔"

"تمہیں تو ہر آدمی کی شکل جانی پہچانی سی لگا کرتی ہے، یہ میرے

مہمان ہیں، جاؤ تم۔"

"جی اچھا!" اس نے کہا اور ان تینوں کو گھورتا کمرے سے نکل گیا۔

اس وقت تک سب چائے سے فارغ ہو چکے تھے، چنانچہ فواد ہاتی ان کی طرف مڑے۔

"ہاں تو اب تم کیا کہتے ہو، میرے گھر میں کسی چور کا کوئی امکان نہیں۔"

"تو پھر یہ خط ہمیں کس نے لکھا اور کیوں لکھا۔" محمود نے تنک کر کہا۔

"اس پر تو خود مجھے بھی حیرت ہے.... اور پھر اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ چور کو چوری کرنے سے تم اور صرف تم روک سکتے ہو، کیا تم لوگ چوروں کو پکڑتے رہے ہو اور اس کام میں ماہر ہو۔" فواد ہاتی کے لہجے میں مذاق جھلک اٹھا۔

"جی ہاں! اتفاق سے ہم یہ کام کرتے رہے ہیں۔"

"کیا!!" فواد ہاتی کے منہ سے نکلا، آنکھوں میں چمک سی نظر آئی تھی۔

"اگر آپ کے خیال میں یہاں کوئی چور نہیں ہے تو ہم واپس چلے جاتے ہیں، لیکن اگر ہم یہ بات ثابت کر دیں کہ خط ہمیں اسی گھر میں سے ہی کسی نے لکھا ہے تو اس صورت میں آپ کیا



کہیں گے۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تم.... تم یہ بات کس طرح ثابت کرو گے؟" فواد ہاتی نے جلدی سے پوچھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہ کام چند منٹ میں کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب یہاں کوئی چور ہے ہی نہیں۔" فواد ہاتی کے بھائی شہزاد ہاتی نے بڑا سا منہ بنا کر کہا اور تینوں کو گھورنے لگا۔

"دیکھئے جناب! آپ ہمیں اتنی تیز نظروں سے نہ گھوریں، ہم خود نہیں آئے، بلکہ یہ خط ہمیں لایا ہے، اور اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ خط اسی گھر سے ہی لکھا گیا ہے تو پھر آپ کیا کہیں گے۔"

"اس صورت میں ضرور معاملہ عجیب ہو جائے گا۔" شہزاد ہاتی کی بجائے عرفان قادری نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، انہیں یہ بات ثابت کرنے کا موقع دینا چاہیے۔" عارف بھائی بولا۔

"سیکرٹری صاحب! مجھے تو یہ کوئی چور اُچکے لگتے ہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"ہم آپ کی بات کا برا نہیں مانیں گے، ہو سکتا ہے، ہم آپ کو واقعی چور اُچکے لگے ہوں۔" فاروق نے مسکرا کر جواب دیا۔

بڑی بات ہے شہزاد! جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ
ان کے ارادے کیا ہیں، یہ یہاں کیوں آئے ہیں، ان کے
بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہوگا۔" فواد ہاتی نے اپنے بھائی
کو جھڑکا اور وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔ جیسے کوئی ننھا سا بچہ ڈانٹ
کھانے کے بعد بیٹھ جاتا ہے۔ عین اسی وقت دروازہ ایک بار
پھر کھلا اور ڈرائیور شاکا اندر داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں اخبار
تھا اور اس کی نظریں اخبار پر جمی تھیں۔

---



# ہیروں کا ہار

دروازہ کھلنے کی آواز نے ان سب کی توجہ شاکا کی طرف موڑ
دی، مگر وہ ان کی طرف نہیں بلکہ بدستور اخبار کی طرف دیکھ رہا
تھا۔ آخر فواد ہاتی نے ناراضی سے کہا۔

"کیا بات ہے شاکے، تم پھر آگئے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے، آپ نے مجھے آرام کرنے کی ہدایت کی
تھی، لیکن ان تینوں کے چہرے دیکھ کر میرا ذہن مجھ سے بار بار
کہتا رہا کہ انہیں کہیں دیکھا ہے اور اب یہ بات ثابت ہو چکی
ہے کہ میرا خیال ٹھیک تھا۔" اس نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے تم انہیں واقعی کہیں دیکھ چکے ہو؟" فواد
ہاتی نے جلدی سے کہا۔

"جی ہاں!" اس نے کہا اور اخبار لیے ان کی طرف بڑھا۔ "یہ
دیکھیے اخبار۔"

"اس کا مطلب ہے، یہ تینوں اشتہاری مجرم ہیں۔" شہزاد
ہاتی نے کہا۔

"شہزاد ہاتم پھر بولے، میں کہتا ہوں، ابھی کچھ نہ کہو، اگر یہ اشتہاری مجرم ہیں تو ہم انہیں گرفتار کرا دیں گے۔" فواد ہاتمی نے کہا۔

"جی بہت اچھا!" اس نے پھر بچوں کے سے انداز میں کہا اور نظریں جھکا دیں۔

دوسری طرف فواد ہاتمی اخبار میں نظریں جما چکا تھا اور اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں، آخر اس نے اخبار شہزاد کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"لو! تم بھی دیکھ لو۔"

پھر وہ سب ایک ساتھ اخبار پہ جھک پڑے۔

"او ہو، یہ تو انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔" سیکرٹری عارف بھائی نے کہا۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" فواد ہاتمی بولا۔

"یہ انسپکٹر جمشید کون ہیں!" روبینہ ہاتمی نے پوچھا۔

"ارے! تم نہیں جانتیں، اخبار میں کبھی ان کے بارے میں نہیں پڑھا۔" عارف بھائی بولے۔

"جی نہیں! میں اخبار میں صرف کھیلوں کی خبریں پڑھا کرتی ہوں۔"

"انسپکٹر جمشید محکمہ سراغرسانی کے سب سے مشہور و معروف



آدمی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ یہ تینوں بھی مشہور ہیں۔" شاکا نے کہا۔

"کیوں! یہ کیوں ان کے ساتھ مشہور ہیں۔" روبینہ ہاتمی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ تینوں نے اسے منہ بناتے صاف دیکھا، روبینہ نے بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"یہ بھی ان کے شانہ بشانہ کام کرتے ہیں، انہوں نے بھی بے شمار معرکے مارے ہیں۔ بلکہ تقریباً ہر کیس میں یہ ان کا ساتھ دیتے ہیں۔"

"خیر ہو گا، ہمیں کیا!" روبینہ نے لاپروائی سے کہا۔

"اور اب جب کہ یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خط انہوں نے خود ہی لکھ لیا ہو گا، چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ خط 'یہاں' سے ہی کسی نے لکھا ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے، اس نے ایسا کیوں کیا، اسے یہاں کون چور نظر آ رہا ہے اور وہ کیا چیز چرانا چاہتا ہے، ان سوالات کے تحت اگر دیکھا جائے تو معاملہ کافی پُر اسرار ہو گیا ہے اور اس پہ یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں، کہ یہ ثابت کر سکتے ہیں، خط کس نے لکھا ہے۔" فواد ہاتمی کا دوست عرفان قادری کہتا چلا گیا۔

"ہوں! تو کیا ہم انہیں یہ بات ثابت کرنے کا مشورہ دے

دیں۔" فواد ہاتمی نے سوچ کر کہا۔

"میرا خیال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، الجھن سے تو بچ جائیں گے۔" عارف بھائی نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے، تمہیں اجازت ہے، کرو ثابت۔" فواد ہاتمی نے کہا۔

"بہت خوب!" محمود نے خوش ہو کر کہا۔ "اس کا سیدھا سادہ طریقہ یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک ہمیں اپنے ہاتھ سے دو چار جملے لکھ کر دے دے۔ اس خط سے جس کی تحریر مل گئی، خط اس نے لکھا ہو گا۔"

"بھئی واہ! یہ تو بہت آسان ترکیب ہے۔" فواد ہاتمی کے منہ سے نکلا۔

"ٹھیک ہے! ہم ایسا کرنے کے لیے تیار ہیں۔" عرفان قادری نے کہا۔

"کیا تم میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے؟"

"کم از کم میں تو تحریر لکھ کر نہیں دوں گی، چاہے کسی کے بھی بیٹے ہوں، مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔" روبینہ نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"آپ ہمیں دونوں آنکھوں سے دیکھیں نا۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔



"اور میں بھی لکھ کر نہیں دوں گا، مجھے یہ مذاق پسند نہیں آیا جب ہمارے گھر میں کسی چور کے ہونے کے کوئی امکانات ہی نہیں ہیں، تو ہم ایسا کیوں کریں، ضرور یہ خط والا چکمہ انہوں نے خود ہی چلایا ہے۔" شہزاد نے روبینہ کا ساتھ دیا۔

"بالکل ٹھیک چچا جان! میرا بھی یہی خیال ہے۔" روبینہ خوش ہو کر بولی۔

"اگر ہم نے یہ چکمہ خود چلایا ہے، خط خود ہی لکھ کر لے آئے ہیں تو یہ بھی بتا دیں، ہمیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہونے کی اُمید ہے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"میں کیا جانوں! خدا جانے تمہارے ذہن میں کیا ہے۔" شہزاد بولا۔

"کم از کم بھوسہ نہیں ہے۔" فاروق منمنایا۔

"بھئی میرا خیال ہے، ہم بے کار کی بحث میں اُلجھ گئے، آخر تحریر لکھ کر دے دینے میں حرج ہی کیا ہے، ذرا دیکھیں تو سہی یہ کیا نتیجہ نکالتے ہیں، کون سا اس طرح ہم میں سے کوئی مجرم ثابت ہو جاتا ہے۔" فواد ہاتمی نے تنگ آ کر کہا۔

"اگر آپ کہتے ہیں تو ہم لکھ دیتے ہیں، ورنہ ان کے کہنے سے تو ہرگز نہیں لکھیں گے۔" روبینہ نے کہا اور پھر اپنے چچا کی طرف دیکھا۔ "کیوں چچا جان!"

"بالکل ٹھیک روبینہ، ہمیں بھائی جان کی بات ماننی ہی چاہیے
آخر یہ اس گھر کے بڑے ہیں۔"

"شکریہ جناب! تو پھر سب لوگ اپنے اپنے قلم سے کاغذ کے پرزوں پر چند فقرے اپنی مرضی کے لکھ دیں۔" محمود نے سکون کا سانس لیا۔

"اور اگر کسی کے پاس اپنا قلم نہ ہو تو؟" شہزاد ہاتمی نے سوال کیا۔

"تو وہ دوسرے سے لے لے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" فرزانہ بولی۔

انہوں نے اپنے اپنے قلم نکالے، اسلام دین کے ذریعے دوسرے کمرے سے کاغذ منگائے اور پھر ان پر جملے لکھنے لگے۔ شاکا اور اسلام دین کھڑے انہیں جملے لکھتے دیکھتے رہے ان تینوں کی نظریں بھی سب پر پڑنے لگیں، یوں لگتا تھا، جیسے وہ کسی کمرہ امتحان میں بیٹھے ہوں۔ تھوڑی دیر بعد کاغذ کے پرزے ان کی طرف بڑھنے لگے۔

"ان پر اپنا اپنا نام لکھنا نہ بھولیں۔" محمود نے کہا۔

انہوں نے پرزوں پر نام بھی لکھ دیے۔ اور پھر پانچ پرزے انہوں نے ساتھ ساتھ رکھ لیے، ان کے ساتھ وہ خط بھی کھول کر رکھ دیا گیا، اب تینوں ان کا بغور جائزہ لینے لگے.... لیکن



پھر ان کے چہروں پر مایوسی کے سائے نظر آنے لگے۔ خط والی تحریر ان میں سے کسی پرزے سے بالکل بھی نہیں مل رہی تھی۔

"ہمیں افسوس ہے، یہ تجربہ ناکام رہا، لیکن اس کے باوجود ہمیں یقین ہے، خط یہاں سے ہی لکھا گیا ہے۔"

"اب یہ یقین کس بنیاد پر ہے؟" روبینہ ہاتمی نے انہیں گھورا۔

"اس بنیاد پر کہ بعض لوگ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتے ہیں۔ کچھ لوگ پاؤں سے بھی لکھنے کے عادی ہوتے ہیں، اگر آپ میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے تو ظاہر ہے، اس وقت اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے جملے لکھ دیے ہوں گے۔" محمود نے وضاحت کی۔

"لیکن میں نے تو بائیں ہاتھ سے لکھا ہے۔" روبینہ نے تلخ لہجے میں کہا، کیونکہ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

"آپ کی بات اور ہے۔" فاروق نے کہا۔

"خیر! اب تم لوگ کیا کرو گے، میرا خیال ہے، اپنے گھر واپس چلے جاؤ، یہاں تمہاری جاسوسی چلتی نظر نہیں آتی۔" شہزاد ہاتمی نے مذاق اُڑایا۔

"ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن جناب.... ابھی دو آدمیوں نے اپنی تحریر کے نمونے نہیں دیے۔" اچانک فرزانہ نے کہا۔

"کون دو آدمی؟" فواد ہاتمی نے حیران ہو کر پوچھا۔
"اسلام دین اور مسٹر شاکا۔" فرزانہ بولی۔
"مجھے تو لکھنا ہی نہیں آتا۔" اسلام دین جلدی سے بولا۔ فرزانہ نے اس کی طرف دیکھا، اب وہ پُرسکون تھا۔
"خیر.... شاکا کو تو لکھنا آتا ہو گا۔"
"ہاں! یہ پڑھا لکھا ہے۔"
"تو پھر آپ لیجیے، یہ بھی چند جملے لکھ کر دکھائے۔"
"لیکن میرا اس معاملے سے کیا تعلق۔" شاکا نے پریشان ہو کر کہا۔
"تم اس گھر میں تو رہتے ہو۔" فاروق نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔
"اگر خط تم نے نہیں لکھا تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" فواد ہاتمی نے بھی اسے شک کی نظروں سے دیکھا۔
"میں ڈرتا ہوں، کہیں اتفاق سے میری تحریر اس خط سے نہ مل جائے۔" شاکا نے کہا۔
"بے فکر رہیں، اتفاق سے ہرگز نہیں مل سکتی، اسی صورت میں ملے گی، اگر آپ نے لکھا ہو گا۔" فاروق بولا۔
آخر اسے بھی تحریر لکھ کر دینا پڑی۔ انہوں نے اس کی تحریر خط کے ساتھ رکھ کر دیکھی اور بالکل ہی مایوس ہو گئے۔
"کیا اس گھر میں کوئی اور بھی رہتا ہے؟"



"نہیں! یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔" فواد ہاتمی نے کہا۔
"عارف بھائی اور عرفان قادری کہاں رہتے ہیں۔"
"یہ یہیں رہتے ہیں، عرفان قادری یہاں ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم ہیں، ان کا گھر دوسرے شہر میں ہے، اس لیے یہیں رہتے ہیں، رہے عارف بھائی میرے سیکرٹری، تو ان کا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں، اس لیے یہ بھی ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں جب یہ میرے پاس ملازمت کے لیے آئے، اس وقت ایک کرائے کے مکان میں رہا کرتے تھے، پھر میں نے یہاں آ کر رہنے پر مجبور کر دیا۔" فواد ہاتمی نے تفصیل سے بتایا۔
"بہت خوب! اب یہ بتائیے، کیا اس گھر میں کوئی ایسی چیز ہے جو چرائے جانے کے قابل ہو، کوئی قیمتی چیز!" محمود نے سوال کیا۔
"قیمتی چیزیں تو یہاں کئی ہو سکتی ہیں۔" فواد ہاتمی نے اُلجھ کر کہا۔
"سب سے زیادہ قیمتی چیز کیا ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔
"میری تجوری میں ہر وقت پچاس ہزار روپے کے لگ بھگ رقم موجود رہتی ہے، میں سڑکوں کے ٹھیکے لیتا ہوں، کبھی اچانک نقد رقم بھی ادا کرنا پڑ جاتی ہے، اس لیے گھر میں رقم رکھنا پڑتی ہے، اس کے علاوہ میری مرحوم بیگم کے زیورات بھی ہیں، وہ بھی کم از کم پندرہ ہزار کے تو ضرور ہوں گے۔" یہ کہہ کر فواد ہاتمی خاموش ہو گئے۔

"کوئی اور چیز؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"روبینہ کا ایک ہار بھی ہے جو عام طور پر اس کے گلے میں ہی رہتا ہے، لیکن اتفاق سے آج اس نے نہیں پہن رکھا، کیوں بیٹی، ہار کہاں ہے؟"

"میری الماری میں، میں نے صبح نہانے سے پہلے اتار کر رکھ دیا تھا، پھر پہننا بھول گئی۔"

"اوہ! تو مہربانی فرما کر پہلے یہ دیکھ لیں کہ ہار الماری میں موجود ہے یا نہیں۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"الماری میں نہیں ہو گا تو کہاں ہو سکتا ہے، آپ لوگوں کو تو یونہی وہم پڑ گیا ہے؟" روبینہ نے منہ بنایا۔

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" محمود کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"دیکھ لو بیٹی .... تمہیں نہیں معلوم، وہ بہت قیمتی ہار ہے۔"

"جی بہتر! میں ابھی اسے لے کر آتی ہوں۔" اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

"وہ ہار ہیروں کا ہے، ابھی پچھلے سال خریدا تھا، اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے، میری بیٹی کو پسند آ گیا تھا، بس میں نے خرید دیا، ڈاکٹر کی ہدایت بھی یہی ہے کہ اسے ہر وقت خوش رکھا جائے، اس کی ہر خواہش پوری کی جائے، یہ بہت جلد غمگین ہو جاتی ہے، اسی لیے جب اسے یہ ہار پسند آیا تو



میں نے ایک پل کے لیے بھی یہ نہ سوچا کہ ہار ایک لاکھ روپے کا ہے، آخر یہ سب کچھ اسی کا تو ہے۔ میری ایک ہی تو بچی ہے۔" یہ کہتے کہتے فواد ہاتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ روبینہ ہاتی اندر داخل ہو رہی تھی۔

انہوں نے دیکھا، ہیروں کا ہار اس کے گلے میں ہلکورے لے رہا تھا۔

---

# وہم کا علاج

چند لمحے تک وہ اس ہار پر نظریں جمائے رہے، ہار بہت خوب صورت تھا۔ اس میں سے رنگ برنگی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ آخر محمود نے کہا۔

"ہمارے اب تک کے اندازے غلط ثابت ہوئے، یہاں ہر طرف خیریت ہے، اس لیے اب ہمیں واپس چلے جانا چاہئیے۔"

"بالکل ٹھیک ہے، اب ہماری یہاں ضرورت بھی کیا رہ جاتی ہے۔" فاروق بولا اور تینوں اٹھ کھڑے ہوتے، کسی نے بھی انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہ کی، وہ دروازے کی طرف چل پڑے اچانک فرزانہ رکی اور مڑتے ہوئے بولی۔

"ہاشمی صاحب! ہم جا رہے ہیں، لیکن اگر آپ کو ہماری ضرورت محسوس ہو تو آپ ہمیں کسی وقت بھی بلا سکتے ہیں، اور میرا ایک مشورہ ہے، وہ یہ کہ آپ اس ہار کو کسی جوہری سے پرکھوا لیں، کہیں ہار بدل نہ دیا گیا ہو۔"

"مشورے کا شکریہ! بھلا یہاں کون اسے بدلے گا۔" فواد ہاشمی بولا۔



"چلتے چلتے ایک اور سوال ...، امید ہے، معاف فرمائیں گے، کیا اسلام دین اور شاکا بھی یہیں رہتے ہیں۔"

"ہاں! ان کے لیے کوٹھی کے پچھلے حصے میں سرونٹ کوارٹر بنے ہیں، کوٹھی کے پچھلے حصے میں ایک دروازہ کھلتا ہے، اس دروازے سے بھی ان میں جا سکتے ہیں، اور سڑک کی طرف سے بھی۔"

"بہت خوب! ہماری درخواست ہے کہ آپ محتاط رہیں جس کسی نے بھی خط لکھا ہے، اگرچہ ہم اسے پہچان نہیں سکے، لیکن اس نے بلاوجہ خط نہیں لکھا ہو گا، بلکہ حیرت تو یہ ہے کہ وہ بتا کیوں نہیں دیتا کہ خط اس نے لکھا تھا.... اور اس کے خیال میں چور کون ہے، اگر وہ بتا دے تو مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل ہو سکتا ہے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"بتائے تو کوئی تب نا، جب ایسی کوئی بات ہو۔" شہزاد ہاشمی بولا۔

اور وہ کمرے سے باہر نکل آئے، نکلتے نکلتے انہوں نے سنا روبینہ نے کہا تھا:

"بڑے آئے تھے جاسوس کہیں کے۔"

پھر وہ نکلتے چلے گئے۔ کوئی انہیں بیرونی دروازے تک چھوڑنے بھی نہیں آیا تھا، تینوں گہری سوچ میں گم تھے۔

"آج تو بہت بڑی ہوئی۔" محمود نے باہر نکل کر کہا اور ٹیکسی

کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔

"میں نے آج ایک فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کے کسی خط کے جواب میں حرکت میں نہیں آیا کریں گے، جب تک کہ کوئی خود اپنا نام بتا کر ہمیں نہ بلائے۔" فرزانہ کا پارہ چڑھا ہوا تھا

"تم لوگ کچھ بھی کہو، میرا خیال ہے، گھر میں کوئی چور موجود ضرور ہے۔"

"ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" محمود نے کندھے اُچکائے۔

"کیوں نہ چلتے چلتے ان کوارٹروں پر بھی ایک نظر ڈال لیں، ٹیکسی تو کوئی نظر نہیں آ رہی۔" فرزانہ بولی۔

"کیا ضرورت ہے، ظاہر ہے، ان کوارٹروں میں ایک میں اسلام دین رہتا ہے اور دوسرے میں شاکا۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے شاکا پر شک ہے، اس نے ہمیں فوراً پہچان لیا تھا، اس کا مطلب ہے، وہ جرائم کی خبروں میں دلچسپی رکھتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جرائم کی خبروں میں تو ہم بھی دلچسپی رکھتے ہیں تو پھر کیا ہم چور ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہاری مرضی، میں تو ان کے کوارٹروں پر ایک نظر ڈالنا چاہتی تھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کیا ضرورت ہے، ہم کوٹھی میں پہلے ہی ناکام ہو چکے ہیں۔"



محمود نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"خیر چلو گھر چلیں۔" فرزانہ نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

لیکن سڑک پر دور دور تک کسی ٹیکسی کا نشان نہیں تھا۔

"اب کیا کریں، کیا پیدل چلیں۔" فاروق کی آواز سے تھکن ظاہر تھی، ذرا سی بھی ناکامی اس کا موڈ آف کر دیتی تھی۔

"پیدل چلنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم کوارٹروں تک ہو آئیں۔" فرزانہ گنگنائی۔

"لگ گئی تمہیں تو کوارٹروں کی، چلو بھئی چلیں، ورنہ اسے رات بھر نیند نہیں آئے گی اور اپنے ساتھ ہماری نیند کا بھی تیا پانچہ کر دے گی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"یہ تیا پانچہ کیا ہوتا ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آؤ چلیں، میں جانتی ہوں، کوارٹر دیکھے بغیر تمہیں بھی نیند نہیں آئے گی۔" فرزانہ نے کہا اور کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف چل پڑی۔ اس نے مڑ کر یہ دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے آ رہے ہیں یا نہیں۔

چند سیکنڈ تک محمود اور فاروق جھلاتے ہوئے انداز میں اسے دیکھتے رہے، پھر اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگے۔

کوٹھی کے پیچھے کل تین کوارٹر تھے، جن کے دروازے سڑک کی طرف کھلتے تھے۔ پہلے اور تیسرے کوارٹر کی دیواریں کوٹھی کی

دیواروں کے ساتھ ملی ہوئی تھیں اور دوسری طرف صحن سا نظر آ رہا
تھا، شاید اس صحن میں اندر والا دروازہ کھلتا تھا۔
"کوارٹر تین ہیں اور رہنے والے دو، اس کا مطلب ہے ایک
کوارٹر خالی پڑا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔
"کیا تمہارا ارادہ اس میں رہنے کا ہے؟" پیچھے سے فاروق کی
آواز آئی۔
"ارے تم بھی ساتھ آئے ہو، میرا تو خیال تھا کہ وہیں سڑک
پر کھڑے ہو گے۔"
"اگر تمہارا یہ خیال تھا تو پھر تم نے یہ جملہ کیا اپنے فرشتوں
سے کہا تھا؟" محمود کا لہجہ کاٹ کھانے والا تھا۔
"نہیں، میں نے اپنے فرشتوں سے نہیں، تمہارے فرشتوں سے
کہا تھا، کیونکہ میرا خیال یہ بھی تھا کہ تم میرے ساتھ آؤ نہ آؤ،
تمہارے فرشتے ضرور آئیں گے۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔
"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھنجلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ "اپنے
آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگی ہو۔"
"نہ جانے کیوں۔۔۔ میں تو اچھی طرح جانتی ہوں کہ خود کو کیا
سمجھنے لگی ہوں۔" فرزانہ مسکرائی۔
"کیا سمجھنے لگی ہو؟" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔
"فرزانہ۔" اس نے جواب دیا۔



"لاحول ولاقوۃ! اگر تم خود کو فرزانہ سمجھنے لگی ہو تو یہ کون سی
نئی بات ہے۔" فاروق نے ایسا منہ بنایا جیسے کوئی کڑوی گولی
نگل لی ہو۔
"ایک کوارٹر کے دروازے پر تالا لگا ہے، دوسرے کی صرف
چٹخنی لگی ہے، تیسرے میں روشنی ہے اور اس کی چٹخنی بھی نہیں
لگی ہوئی۔" فرزانہ نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔
"تو پھر ہم کیا کریں، ظاہر ہے، تیسرا کوارٹر اسلام دین عرف
سلامو بابا کا ہے اور اس کی ایک بیٹی بھی ہے، وہ اندر ہو
گی، لہذا روشنی بھی ضروری ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔
"ٹھیک ہے، ضرور یہی بات ہے لیکن میں ان تینوں کوارٹروں
کو اندر سے دیکھنا چاہتی تھی۔"
"ایسی کیا ضرورت پڑ گئی۔" فاروق بولا۔
"کم از کم شاکا کے کوارٹر کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔"
فرزانہ بولی۔
"پتا نہیں، میں کیوں اس کے کوارٹر کو اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"تو پھر چٹخنی کھول کر اندر داخل ہو جاؤ۔" محمود نے کہا۔
"اور اگر شاکا آ گیا تو؟"
"تو ہم اشارہ کر دیں گے۔" محمود بولا۔
"وہ اندر والے دروازے سے بھی تو آ سکتا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"پھر تم ہی بتاؤ، ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں:"

"خیر دیکھا جائے گا، میں ہر خطرہ مول لے کر بھی اس کے کوارٹر کی تلاشی لوں گی:" اس نے کہا اور چٹخنی گرا کر اندر داخل ہو گئی۔ دونوں ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑے رہ گئے۔

"اب ہم کیا کریں:" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"یہیں کھڑے رہنے کے سوا کیا کر سکتے ہیں، یا پھر تم دروازے کی طرف چلے جاؤ، اگر شاکے کو آتے دیکھو تو فوراً اِدھر آ جانا، تاکہ ہم فرزانہ کو خبردار کر سکیں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، تو پھر میں ....."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے، صدر دروازے کی طرف سے شاکا چلا آ رہا تھا اور اس کی نظریں ان دونوں پر تھیں اب وہ فرزانہ کو خبردار بھی نہیں کر سکتے تھے۔

"مارے گئے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہیلو فرزانہ! ہوشیار ہو جاؤ، شاکا آ رہا ہے:" محمود نے دبی دبی آواز میں کہا، اس کا خیال تھا کہ شاید فرزانہ اس کی آواز سن لے اور دوسری طرف کے دروازے سے نکل جائے، لیکن اس طرح تو وہ پھر کوٹھی میں داخل ہو جاتی اور وہاں اسے پھر فواد ہاتی وغیرہ کا سامنا کرنا پڑتا۔

اتنے میں شاکا وہاں پہنچ گیا۔ اسکی آنکھوں میں حیرت تھی، آتے ہی بولا:



"تم یہاں کیا کر رہے ہو، ارے! تمہاری بہن کہاں گئی:"

"وہ... وہ دراصل ہم اِدھر سے گزر رہے تھے کہ تمہارے کوارٹر میں روشنی دکھائی دی، تالا لگا ہوا نہیں تھا، لہذا ہم سمجھے اندر کوئی چور گھس گیا ہے، بس یہی دیکھنے کے لیے فرزانہ اندر چلی گئی:" فاروق نے گڑبڑا کر کہا۔

"اور تم باہر کیوں کھڑے رہ گئے:" شاکا نے انہیں بُری طرح گھورا۔

"ہم! ہم تو ڈرپوک ہیں اور وہ بہت بہادر ہے:" فاروق بولا پھر دروازے کی طرف منہ کر کے بولا۔

"فرزانہ باہر آ جاؤ، اندر کوئی چور نہیں، یہ تو باہر کھڑے ہیں:"

"کیا کہا! میں چور ہوں۔" شاکا غرایا۔

"ارے نہیں، میرا مطلب ہے، مسٹر شاکا باہر کھڑے ہیں:"

دروازہ کھلا اور فرزانہ باہر نکل آئی۔ اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا، "خدا کا شکر ہے، اندر کوئی چور نہیں، شاید آپ جاتے وقت بتی چھوڑ گئے ہوں گے:"

"میں بجھا کر گیا تھا، تم لوگ ضرور کوئی چکر چلا رہے ہو، پہلے کوٹھی میں وہ خط دکھا کر داخل ہوئے اور اب یہاں آ گئے:"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ چکر کون چلا رہا ہے:" فاروق نے آسمان کی طرف دیکھا۔

سورج غروب ہونے والا تھا اور اس کی آخری شعاعیں ان

کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔

"اچھا خیر! آپ فرزانہ کی تلاشی لے سکتے ہیں، دیکھ لیں، یہ اندر سے کچھ چرا کر تو نہیں نکلی۔" محمود نے کہا۔

"ہاں بالکل! تلاشی لے لیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" شاکا نے برا سا منہ بنا کر کہا اور اندر گھس گیا۔

تینوں سڑک کی طرف چل پڑے۔ کچھ فاصلہ طے کر کے محمود نے کہا۔

"کیوں فرزانہ، اندر کوئی کام کی چیز نظر آئی؟"

"نہیں! یوں بھی اطمینان سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، لیکن میرا خیال ہے، ہمیں بہت موقع ملے گا۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟" محمود اور فاروق ایک ساتھ بولے۔

"آخر کوٹھی میں چوری ہوئی ہے، وہ خط کسی نے بلاوجہ تو نہیں لکھا تھا۔" یہ کہتے کہتے رک گئی۔ اب وہ اسلام دین کے کوارٹر کے سامنے کھڑے تھے۔

"کیا خیال ہے، اس کے اندر بھی نظر ڈال لیں، یہاں تو کوئی خطرہ بھی نہیں ہے، اسلام دین کی بیٹی اندر ہو گی ہی۔"

"نہ جانے تم کن لائنوں پر سوچ رہی ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"آؤ، میرا خیال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر آہٹ ہوئی اور پھر کوئی دروازے کی طرف آیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔

دروازے میں ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی کھڑی ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے کپڑے سادہ، لیکن صاف ستھرے تھے۔

"یہ اسلام دین صاحب کا کوارٹر ہے نا؟"

"جی ہاں! کیا آپ کو ان سے کوئی کام ہے، اگر ایسا ہے تو وہ آپ کو کوٹھی میں ملیں گے۔" اس نے کہا۔

"ہم کوٹھی سے ہو آئے ہیں اور ایک دو منٹ کے لیے ان کا یہاں انتظار کرنا چاہتے ہیں، اگر وہ آ گئے تو ٹھیک، ورنہ اٹھ کر چلے جائیں گے۔" فرزانہ نے نرم اور میٹھی آواز میں کہا۔

"آپ شوق سے بیٹھیں، لیکن بابا جان ابھی نہیں لوٹیں گے، اس وقت تو وہ رات کا کھانا تیار کر رہے ہوں گے، سب کو کھانا کھلا کر ہی آئیں گے۔"

"اوہ! لیکن ہم بہت تھک گئے ہیں، چند منٹ بیٹھ تو سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں.... کیوں نہیں۔"

اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک درمیانے درجے کا کمرہ تھا۔ جس میں دو چارپائیاں آسانی سے بچھ سکتی تھیں۔ ایک چارپائی کے ساتھ چھوٹی سی میز رکھی تھی

اور اس میز پر سکول کی کتابیں، لڑکی نے انھیں دوسری چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس میز کے پاس چارپائی کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"جی ہاں! آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا، آپ لوگ کون ہیں، بابا جان سے کیا کام ہے؟"

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ کوٹھی سے کسی نے ہمیں خط لکھا تھا کہ یہاں کوئی چور موجود ہے۔" فاروق بتاتے بتاتے رک گیا۔

"چور....." لڑکی کے منہ سے خوف زدہ آواز میں نکلا۔

"ہاں! چور، لیکن کسی نے بھی یہ اقرار نہیں کیا کہ خط اس نے لکھا تھا، اس لیے ہم اب واپس اپنے گھر جا رہے ہیں، ادھر سے گزر رہے تھے کہ خیال آیا، بابا اسلام دین سے چند باتیں کرتے جائیں، دراصل وہ ہمیں بہت اچھے لگے ہیں، لیکن اب آپ نے بتایا ہے کہ وہ کافی دیر بعد آئیں گے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔ اس نے فاروق کی بات اچک لی تھی اور وہ اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن آپ کا چور سے کیا تعلق، کسی نے آپ کو خط کیوں لکھا، خط تو پولیس اسٹیشن لکھنا چاہیے تھا۔" لڑکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے، دراصل ہمارے ابا جان پولیس



میں ہی ملازم ہیں نا۔" فرزانہ نے بات بنائی۔

"اوہ سمجھی!" اس نے کہا۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میں.... میں فاطمہ ہوں۔"

"بہت پیارا نام ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیاری بیٹی اور خاتونِ جنت کا نام بھی فاطمہؓ تھا۔" فاروق بولا۔

"جی ہاں! مجھے اپنا نام بہت پسند ہے۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا! اب ہم چلیں گے۔" فرزانہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے افسوس ہے، میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکی۔" اس نے غمگین آواز میں کہا اور ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

تینوں باہر نکلے، انھوں نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی، فرزانہ کسی سوچ میں گم تھی۔

"خیر تو ہے، تم کہاں پہنچ گئیں۔" فاروق نے کہا۔

"میں ابھی تک بابا اسلام دین کے کوارٹر میں ہوں۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اچھا! جب وہاں سے واپس آ جاؤ تو ہمیں بتا دینا۔" فاروق نے کہا۔

"کیا وہاں تمہیں کوئی خاص چیز نظر آئی ہے۔" محمود نے اس کی

طرف غور سے دیکھا۔

"نہیں؛ لیکن میرا خیال ہے، اگر ہم اس کوارٹر کا پوری طرح جائزہ لیں تو کوئی خاص چیز نظر ضرور آئے گی۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہے، اور وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا، ایک بار اس کے پاس ایک مریض آیا، جسے وہم کی بیماری تھی۔ اس نے اپنا حال حکیم صاحب کو کہہ سنایا، جانتے ہو، لقمان حکیم نے کیا کہا، پہلے تو اس نے سرد آہ بھری اور پھر بولا، ارے بھائی ایک وہم ہی کا تو علاج میرے پاس نہیں ہے، اس پر مریض نے پوچھا، کیا کوئی اور بھی وہم کا مریض آپ کے پاس آیا تھا، حکیم صاحب فوراً بولے، کوئی مریض کیا آتا، میں خود وہم کا مریض ہوں اور حکیم لوگ اپنا علاج کر ہی نہیں سکتے، اسی لیے میرے پاس وہم کا علاج نہیں ہے۔" یہ کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا۔

"اس ساری اوٹ پٹانگ بکواس کا یہاں کون سا موقع تھا؟" محمود جھنجلا اٹھا۔

"مجھے نہیں معلوم یہاں کوئی موقع تھا یا نہیں۔" فاروق مسکرایا۔ "لیکن بات ابھی ختم نہیں ہوئی، حکیم لقمان کی بات سن کر مریض اچھل پڑا اور کہنے لگا، بات دراصل یہ ہے حکیم صاحب کہ میں بھی ایک حکیم ہی ہوں اور یہی سوچ کر آیا تھا کہ شاید آپ میرا علاج کر دیں کیونکہ خود میں تو اپنا علاج کر نہیں سکتا، یہ سن کر حکیم لقمان نے



اپنا سر پیٹ لیا اور بولا، میں تو ایک ہی وہمی کو رویا کرتا تھا، اب ایک سے دو ہو گئے۔" ایک بار پھر فاروق خاموش ہو گیا، اس کے چہرے پہ شرارت جھلک رہی تھی۔

"لیکن ہم نے تو ضرب المثل سن رکھی ہے۔ ایک سے دو بھلے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"یہ مثال کسی اور موقعے کے لیے ہو گی، یوں بھی ہمیں کیا پروا، ہم تو دو بھی نہیں تین ہیں اور برملا کہہ سکتے ہیں، ایک سے تین بھلے۔" فاروق بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"کاش! ہمیں آج کی رات کوٹھی میں ٹھہرنے کی اجازت مل جاتی، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ وہاں چور اور چوری کے کوئی آثار نہیں ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کوٹھی میں رات گزار کر بھی ہم آثار تلاش نہ کر سکتے، کیونکہ میرا خیال ہے، اس بار ضرور کسی نے ہم سے مذاق کیا ہے، کہیں آج یکم اپریل تو نہیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ستمبر کی پندرہ تاریخ کو یکم اپریل نہیں ہو سکتی، اس کے لیے ابھی تمہیں کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا، یکم اکتوبر کو چونک کر پوچھ لینا... آج یکم اپریل تو نہیں۔" فاروق نے برا سا منہ... بنایا اور فرزانہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"ارے تو لال پیلے کیوں ہو رہے ہو، میں نے تو یونہی ایک

بات کہہ دی تھی:" محمود ہنسا۔

"میں ایک ہی وقت میں لال اور پیلا نہیں ہو سکتا، یا تو میں اس وقت لال ہوں، یا پیلا،" فاروق نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو نیلے نظر آ رہے ہو،" فرزانہ مسکرائی۔

"کہیں سورج نیلی شعاعیں تو نہیں چھوڑ رہا یا پھر تم نے اپنی آنکھوں میں کوئی نیلے رنگ کی دوا تو نہیں ڈلوائی۔" فاروق نے ہار نہ مانتے ہوئے کہا۔

"ثابت ہو گیا، بلکہ بہت مرتبہ ہو چکا ہے کہ تم سے باتوں میں جیتنا ناممکن ہے۔"

"تو پھر کیوں میرے مقابلے پر اُترتے ہو؟" فاروق نے سینہ پھلا کر کہا۔

"آج میرا خیال ہے، کوئی ٹیکسی نہیں ملے گی اور ہمیں گھر تک پیدل ہی جانا ہو گا۔" محمود نے سڑک پر دور تک دیکھتے ہوئے کہا۔
علاقہ غیر آباد سا تھا اور اس طرف ٹیکسیاں بہت کم آتی تھیں، کیونکہ دولت مند لوگوں کی بستی تھی، کوٹھیوں اور کاروں والے رہتے تھے، لہٰذا ٹیکسیاں مشکل سے ہی آتیں۔

اسی وقت ایک کار کی لائٹوں نے ان کی مشکل آسان کر دی اور وہ گھر پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید ابھی واپس نہیں آئے تھے اور انہیں اس وقت تک جاگنا تھا جب تک کہ وہ



نہیں آ جاتے، اس کے ساتھ ساتھ رات کا کھانا فرزانہ کو تیار کرنا تھا، اور دونوں کو فرزانہ کا ہاتھ بٹانا تھا، لہٰذا انہوں نے باورچی خانے کا رخ کیا۔

دوسری صبح ابھی وہ ناشتے کی میز پہ پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا اور سننے لگے، پھر ان کی آنکھوں میں حیرت کی جھلکیاں نظر آئیں۔ انہوں نے دو تین بار پلکیں جھپکیں اور پھر یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"اچھی بات ہے۔"

ان کی نظریں تینوں پہ جم گئیں، نہ جانے ان نظروں میں کیا تھا کہ تینوں بوکھلا اٹھے اور ایک ساتھ بول پڑے۔

"کیا ہوا ابا جان! خیر تو ہے؟"

# شاکا چیختا ہے

چند لمحوں تک انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے۔ تینوں انہیں ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔ آخر ان کے لب ہلے۔

"وہ خط کہاں ہے؟"

"کون سا خط؛ فواد ہاتی والا؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں؛ وہی!" انہوں نے کہا۔

"تو کیا یہ فون وہاں سے آیا تھا؟" فرزانہ پر جوش آواز میں بولی۔

"ہاں؛ فون وہاں سے آیا تھا، میں نے پوچھا ہے، وہ خط کہاں ہے۔"

"جی یہ رہا۔" محمود نے کہا اور خط نکال کر ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ انسپکٹر جمشید بغور اس کا معائنہ کرنے لگے۔

"کل میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی، اس وقت ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اسے غور سے دیکھنے کے بعد میں چند نتائج نکال سکتا ہوں، کیا تم بھی ایسا کر سکتے ہو؟" یہ کہہ کر وہ مسکرائے۔



"جی؛ نتائج!" فرزانہ بولی۔

"ہاں؛ اسے غور سے دیکھو اور پھر جو کچھ سمجھ سکتے ہو، مجھے بتاؤ۔" انہوں نے کہا اور تینوں کی نظریں خط پر جم کر رہ گئیں۔ تقریباً ایک منٹ تک تینوں اس کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر محمود نے کہا۔

"ابا جان! میں کچھ اندازہ لگا پایا ہوں۔"

"بتاؤ!" انہوں نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ خط کے لیے جو کاغذ استعمال کیا گیا ہے وہ کسی پیڈ کا نہیں، بلکہ نوٹ بک میں سے پھاڑا گیا ہے، دوسرے یہ کہ لکھنے والے کا طرزِ تحریر پختہ نہیں ہے، تحریر اگرچہ خوش خط ہے، لیکن اس میں نفاست نہیں ہے، اور یہ شاید اس لیے ہو کہ لکھنے والے نے اسے اپنے بائیں ہاتھ سے لکھا ہو، یا اپنا خط بگاڑ کر لکھنے کی کوشش کی ہو۔" یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"ہوں، تمہاری دونوں باتوں میں وزن ہے، فاروق تم کیا کہتے ہو؟"

"یہ تو جو کچھ کہے گا، بے وزن کہے گا۔" فرزانہ بول پڑی۔

"ابھی تم یہ نہیں کہہ سکتیں، پہلے مجھے اپنا خیال پیش کرنے دو۔" فاروق مسکرایا پھر انسپکٹر جمشید کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"یہ خط جس کسی نے لکھا ہے، اس کے قلم کا نب تھوڑا سا کھُردرا ہے اور کبھی کبھی کاغذ پہ اٹک جاتا ہے، کاغذ پر اُبھرنے والے

روئیں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ لکھنے والا لائن کے اوپر لکھنے کی کوشش کے باوجود ایک دو بار نیچے چلا گیا ہے۔"

"ہوں! اور اب فرزانہ کی باری ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بتانے کے لیے انہوں نے میرے پاس چھوڑا ہی کیا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔ "پھر بھی عرض کرتی ہوں، کاغذ پر ہلکی سی چکناہٹ کے دو تین نشان ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والے کے ہاتھ چکنے تھے، ان پر تیل یا کوئی اور چکنی چیز لگی ہوئی تھی، جو ہاتھ صاف کرنے کے بعد بھی کسی قدر لگی رہ گئی، دوسرے یہ کہ لکھنے والے نے یہ خط بہت سوچ سوچ کر اور ایک ایک لفظ پر غور کر کے لکھا ہے۔"

"یہ کس بات سے ظاہر ہے؟" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"اس بات سے کہ ہر لفظ کے درمیان خاصا فاصلہ ہے، جب آدمی تیزی سے لکھتا ہے تو درمیانی فاصلہ بہت کم ہوتا ہے اور سوچ سوچ کر لکھتے ہوئے فاصلہ زیادہ رہ جاتا ہے۔"

"ہوں! تم تینوں نے دو دو خیال پیش کیے، اور مجھے خوشی ہے کہ سارے ہی خیال ٹھیک ہیں، لیکن ایک بات تم تینوں ہی نظر انداز کر گئے اور وہ یہ کہ خط پر کچھ باریک باریک نوکیلے سے نشان بھی موجود ہیں، آخر یہ نشان کیسے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے خط



پر نشان دکھاتے ہوئے کہا۔

"واقعی! ان کی طرف ہمارا دھیان نہیں گیا، کیا آپ ان سے کچھ سمجھ سکے ہیں۔"

"ہاں! کچھ اندازہ تو لگا چکا ہوں، یا تو لکھنے والے کا قلم بار بار رکتا تھا اور وہ نب کاغذ پر ٹکا ٹکا کر اسے دوبارہ لکھنے کے قابل بناتا تھا، یا پھر اس کاغذ پر پہلے سے ہی یہ نشانات موجود تھے، خیر! یہ ہم بعد میں دیکھیں گے، میرا خیال ہے، ہم نے خط کے بارے میں کافی اندازے قائم کر لیے ہیں، اس لیے اب ہمیں فواد ہاتمی کے ہاں چلنا ہے، وہاں سب انسپکٹر تنویر بخاری پہنچ چکا ہے، کیونکہ فواد ہاتمی کی بیٹی کا ہیروں کا ہار چرایا جا چکا ہے۔"

"کیا!!!"

ان کے منہ سے چیخنے کے انداز میں ایک ساتھ نکلا۔

○

کوٹھی میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ فواد ہاتمی نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انسپکٹر جمشید سے تو خاص طور پر بہت گرم جوشی سے ملا اور پھر تینوں سے بولا۔

"کاش! میں نے آپ کی باتوں پر دھیان دیا ہوتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں، ہم بہت جلد آپ کا ہار برآمد کر لیں گے" محمود نے دلاسہ دیا۔

"اب شاید ایسا نہ ہو۔"

"کیوں! کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہار کس نے چرایا ہے۔"

"اوہو! تو کیا چور کا پتہ چل گیا ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں! اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ ...."

اسی وقت بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے دیکھا، ان کی طرف آنے والا سب انسپکٹر تنویر بخاری تھا۔ پہلے تو اس نے چاروں سے ہاتھ ملایا اور پھر کہنے لگا۔

"ہاں جناب! اس بات میں اب کوئی شک نہیں رہا کہ ہار بابا اسلام دین نے چرایا ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے حیرت کی زیادتی سے نکلا، آنکھوں میں گہری چمک دوڑ گئی۔

راستے میں محمود، فاروق اور فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کو کوٹھی میں رہنے والوں کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا تھا، اس لیے انہوں نے فوراً کہا۔

"آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہار اس نے چرایا ہے؟"



"وہ غائب ہے، اگر ہار اس نے نہ چرایا ہوتا تو وہ غائب کیوں ہوتا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ذرا تفصیل سے بتایئے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"صبح سویرے میں اپنی بیٹی کی چیخ کی آواز سن کر بیدار ہوا، وہ کہہ رہی تھی میرا ہار کہاں گیا، میرا ہار کہاں گیا۔ رات وہ ہار پہنے پہنے ہی سو گئی تھی، کمرے کی ایک کھڑکی کھلی ملی، چور اس کھڑکی کے راستے ہی اندر آیا ہو گا، اور اگر یہ حرکت واقعی اسلام دین کی ہے تو اس نے کل کسی وقت کھڑکی کی چٹخنی گرا دی ہو گی، تاکہ رات کو اندر گھس سکے۔ روبینہ کی چیخیں سن کر سب دوڑتے ہوئے آئے اور اس کے گرد جمع ہو گئے، لیکن دوڑ کر آنے والوں میں بابا اسلام دین نہیں تھا، میں نے فوراً شاکا کو اس کے کوارٹر میں بھیجا کہ جا کر اسے بلا لائے۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ اسلام دین کوارٹر میں نہیں ہے، بس میں نے فوراً پولیس اسٹیشن کو فون کر دیا۔ سب انسپکٹر صاحب آئے اور انہوں نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ اسلام دین ہی چور ہے۔"

"ہوں! ان حالات میں تو یہی کہا جا سکتا ہے۔ اچھا یہ بتایئے کیا اس کی بیٹی بھی غائب ہے؟"

"جی نہیں! وہ کوارٹر میں موجود ہے اور جب سے اسے پتا چلا ہے کہ اس کا بابا ہار چرا کر بھاگ گیا ہے، وہ مسلسل رو رہی ہے۔"

شاکا نے جواب دیا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا، پھر وہ بڑبڑائے، "یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک باپ صرف ایک ہار کی خاطر اپنی بیٹی کو چھوڑ کر بھاگ جائے، اسلام دین نے اگر ہار چرایا بھی ہے اور اس کا بھاگ جانے کا پروگرام تھا، تب تو اسے اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر بھاگنا چاہیئے تھا، نہیں! یہ نہیں ہو سکتا!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟ کیا نہیں ہو سکتا!" سب انسپکٹر تنویر بخاری چونکا۔

"ہار بابا اسلام دین نے نہیں چرایا!"

"تو پھر وہ غائب کیوں ہے؟" سب انسپکٹر نے سوال کیا۔

"ابھی اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا، ہاشی صاحب! اسلام دین کا معمول کیا تھا؟"

"وہ صبح سویرے یہاں آ کر باورچی خانے میں مصروف ہو جاتا تھا، اسے سب کے لیے ناشتا تیار کرنا ہوتا تھا، پھر وہ ہم سب کو ناشتا کراتا اور اس کے بعد اپنے حصے کا ناشتا لے کر اپنے کوارٹر میں چلا جاتا، جہاں اپنی بیٹی کے ساتھ ناشتا کرتا۔" فواد ہاشی نے بتایا۔

"کیا آپ نے اسے باورچی خانے میں دیکھ لیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں! اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، ظاہر ہے، اگر وہ باورچی خانے میں ہوتا تو، شور سن کر باہر کیوں نہ آتا!" سب انسپکٹر نے کہا۔



"کم از کم یہ تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ وہ آج صبح اپنے معمول کے مطابق باورچی خانے میں آیا بھی تھا یا نہیں۔"

"تو چلیے! اب دیکھ لیتے ہیں۔" فواد ہاشی بولا۔

اور پھر وہ سب باورچی خانے کی طرف چل پڑے۔ آج شہزاد ہاشی اور روبینہ ہاشی بالکل خاموش تھے جو کل ان تینوں کا خوب مذاق اڑا رہے تھے۔ ان کے خیال میں گھر میں کوئی چور موجود نہیں تھا، لیکن اب ہار چرایا جا چکا تھا اور اس خط کے الفاظ بالکل سچ ثابت ہو چکے تھے اور اگر رات انہیں کوٹھی میں روک لیا جاتا تو شاید ہار چوری ہونے سے بچ جاتا لیکن انہوں نے تو اس خط کی طرف کوئی توجہ دی ہی نہیں تھی۔

وہ باورچی خانے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ بند تھا، لیکن چٹخنی نہیں لگی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے دروازے کو دھکیلا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"ارے! دروازہ تو اندر سے بند ہے!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اندر سے بند ہے، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے!" فواد ہاشی نے گھبرا کر کہا۔

"دیکھ لیں، کیسے ہو سکتا ہے!" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر بولے، "کیا اس کمرے کا کوئی دروازہ دوسری طرف

بھی ہے:"

"نہیں! البتہ اس طرف ایک کھڑکی ضرور کھلتی ہے، اور یہ کھڑکی کوارٹروں کے صحن میں کھلتی ہے، لیکن اس میں تو لوہے کی سلاخیں لگی ہیں۔"

"اوہو! پھر تو معاملہ بہت پُراسرار ہے اور ہو نہ ہو، بابا اسلام دین اندر موجود ہے:" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ مارا۔" سب انسپکٹر تنویر بخاری نے چٹکی بجا کر کہا: "اس کا مطلب ہے، اس نے خوف زدہ ہو کر دروازہ بند کر لیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

"اسلام دین! دروازہ کھولو، اب تم بچ نہیں سکتے۔"

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے شاکا سے کہا:

"مسٹر شاکا! تم کوارٹروں کے صحن کی طرف سے کھڑکی پر جاؤ، اگر کھڑکی کھلی ہے تو، دیکھو اندر کون ہے:"

"بہت اچھا!" اس نے کہا اور دوڑتا چلا گیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی انہوں نے ایک بھیانک چیخ سنی، یہ چیخ شاکا کے منہ سے نکلی تھی۔

---



# باورچی خانے میں لاش

شاکا کی چیخ سنتے ہی وہ سب کھڑکی کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے دیکھا، شاکا خوف زدہ انداز میں کھڑکی کی سلاخوں میں سے باورچی خانے میں دیکھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے اور اندر کا منظر دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔ اندر ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی کمر میں ایک خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا۔

انسپکٹر جمشید یہ منظر دیکھتے ہی واپس دوڑے، محمود، فاروق، فرزانہ اور سب انسپکٹر نے ان کا ساتھ دیا، باقی لوگ وہیں کھڑے رہ گئے۔ دروازے پر آکر انہوں نے ایک ٹکر رسید کی، لیکن دروازہ چوں چر کر کے رہ گیا۔ اب انہوں نے پیچھے ہٹ کر ایک زور دار ٹکر رسید کی۔ اس مرتبہ دروازہ پہلے کی نسبت زیادہ ہلا تھا اور پھر تو جیسے ان کے سر پر ٹکریں مارنے کا بھوت سوار ہو گیا ہو، آخر آٹھ نو ٹکروں کے بعد کہیں جا کر دروازے کے قبضے اکھڑے اور وہ اندر داخل ہوئے۔

"باقی سب لوگ باہر رہیں گے:" انسپکٹر جمشید نے سخت لہجے

میں کہا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اوندھے پڑے ہوئے شخص کے سر کو بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا اور دوسرے ہی لمحے شاکا چیخا۔

"یہ .... یہ اسلام دین ہے۔"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" فواد ہاتی کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے وہ کسی اندھے کنوئیں سے بول رہے ہوں۔

"آپ سب لوگ بھی اس طرف آ جائیں، لیکن باورچی خانے سے باہر ہی ٹھہریں، بخاری صاحب! آپ ماہرین کو فون کر دیں، باورچی خانے اور لاش کی نہ صرف تصویریں لینی ہیں، بلکہ انگلیوں کے نشانات بھی اٹھانے ہیں .... کھڑکی کے باہر بھی قدموں کے نشانات اٹھانے ہیں۔"

"بہت اچھا!" تنویر بخاری نے کہا اور فون کرنے چلا گیا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرزانہ کے منہ سے اچانک نکلا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود بولا۔

"باورچی خانے کا دروازہ اندر سے بند ملا ہے پھر قاتل کدھر سے نکل گیا، کیا اس نے اندر سے نکلنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا یا خود اسلام دین نے خنجر جسم میں اترنے کے بعد دروازے کی چٹخنی لگائی تھی۔" فرزانہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔



"ہوں! تمہاری بات بھی غور کے لائق ہے، یہ بات نوٹ کر لو کہ لاش کمرے کے عین درمیان میں پڑی ہے اور اس کا سر دروازے کی طرف ہے، خنجر کمر میں لگا ہے۔"

"کیا یہ تینوں باتیں کسی خاص سمت میں اشارہ کرتی ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہاں! غور کرو۔" انہوں نے کہا اور کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ فرش پر خون کافی دور تک بہتا چلا گیا تھا۔ انہوں نے پنجوں کے بل بیٹھ کر لاش کے کپڑوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اس کی ایک جیب میں سے صرف پانچ روپے پچانوے پیسے نکلے، دوسری جیب میں ایک کاغذ پر کچھ سبزیوں اور دوسری چیزوں کے نام لکھے تھے۔ انہوں نے کاغذ کا یہ پرزہ ہاتھ میں لے لیا اور اسے بغور دیکھنے لگے، پھر وہ بڑبڑائے۔

"عجیب بات ہے۔"

"جی! کیا بات عجیب ہے؟" محمود چونکا۔ انہوں نے کاغذ کا وہ پرزہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ تینوں اسے دیکھنے لگے۔

"ہمیں تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔" فاروق بولا۔

"تم نے بتایا تھا، اسلام دین پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔"

"اوہ! ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو .... تو کیا وہ پڑھنا لکھنا جانتا تھا؟" فرزانہ بولی۔

"اگر نہیں جانتا تھا تو اس پرزے کا اس کی جیب میں پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ تو واقعی عجیب بات ہو گئی، اس کا جواب اسلام دین کی بیٹی فاطمہ ہی دے سکتی ہے۔"

"فاطمہ! اوہ.... اسے تو شاید ابھی یہ معلوم نہیں کہ اس کا باپ قتل ہو چکا ہے۔" فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اسے بتانا ہی ہو گا، یہ بات کب تک اس سے چھپائی جا سکے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ "اور یہ کام تم تینوں کرو گے۔"

"جی ہم! لیکن یہ تو بہت مشکل کام ہے۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"مشکل بھی اور ناخوشگوار بھی، لیکن کرنا ہی ہوگا، تم جاؤ اور اسے بلا لاؤ۔" انہوں نے کہا۔

انہوں نے اندرونی راستہ اختیار کیا اور اسلام دین کے کوارٹر کے اندرونی دروازے تک پہنچ گئے۔ اندر سے ہچکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ تینوں تھوڑی دیر تک گم سُم سے کھڑے رہے، پھر محمود نے آہستہ سے دستک دی۔ ہچکیوں کی آواز فوراً رک گئی اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلتے ہی انہوں نے فاطمہ کو دیکھا، کل بھی وہ اسے دیکھ چکے تھے۔ اس وقت وہ کتنی خوب صورت لگ رہی تھی، لیکن اب.... اس کے بال بکھر گئے تھے آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ آنسوؤں سے



تر تھا، لیکن اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ ابھی اسے ایک اور صدمے سے دوچار ہونا ہے، ابھی اسے اور رونا ہے۔

"فاطمہ بہن! ہم تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لائے۔" محمود نے پہل کی۔

"کیا بابا جان کا پتا چل گیا۔ وہ پکڑے گئے؟"

"اب انہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا، وہ سب کی پہنچ سے بہت دور جا چکے ہیں، اتنی دور کہ وہاں سے کوئی واپس نہیں آ سکتا۔" یہ کہتے ہوئے محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا مطلب!" فاطمہ نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! وہ تم سے بچھڑ گئے ہیں، اپنے اللہ سے جا ملے ہیں۔"

"نہیں!!!" فاطمہ پوری قوت سے چلائی، لہرائی اور فرش پر گرنے لگی مگر محمود نے اسے سنبھال لیا اور بولا۔

"آؤ بہن! اپنے باپ کو دیکھ لو، پھر وہ تمہیں نظر نہیں آئیں گے۔"

تینوں اسے سہارا دے کر لے چلے اور باورچی خانے میں پہنچ گئے۔ فاطمہ نے جو لاش کو دیکھا تو دھاڑیں مارتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ یہ منظر کئی منٹ تک جاری رہا۔ پھر انسپکٹر جمشید نے اسے پیار بھرے انداز میں لاش سے الگ کیا اور بولے:

"صبر کرو بیٹی! اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہاں یہ بتا دو

کیا تمہارے بابا جان پڑھنا لکھنا جانتے تھے؟"

"انہیں صرف پڑھنا آتا تھا، وہ بھی تھوڑا بہت، انہوں نے قرآن شریف پڑھ رکھا تھا اور اس وجہ سے وہ کچھ اردو پڑھ لیتے تھے۔ وہ مجھ سے کسی کاغذ پر سودا سلف لکھوا لیا کرتے تھے تاکہ بازار جا کر بھول نہ جائیں اور کوئی چیز لانے سے رہ نہ جائے۔ میرا لکھا ہوا وہ پڑھ لیتے تھے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے، پھر تو یہ چٹ بھی ضرور تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہو گی۔" انہوں نے کاغذ کا پرزہ دیکھتے ہوئے کہا۔

پرزہ دیکھ کر وہ چونکی پھر بولی۔

"ہاں! یہ میرا ہی لکھا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد تصاویر لے لی گئیں اور نشانات اٹھا لیے گئے تو لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی گئی۔ ہار کی پورے گھر میں تلاشی لی گئی تھی، لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اس تلاشی کے سلسلے میں اسلام دین اور شاکا کا کوارٹر بھی دیکھا گیا۔ تیسرا کوارٹر جو بند پڑا رہتا تھا، اسے بھی کھلوا کر دیکھا گیا، لیکن وہاں بھی کچھ نہ ملا، البتہ اس کوارٹر میں قدموں کے کچھ نشانات ضرور پائے گئے جو گرد کی موٹی تہہ پر صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے ان نشانات کی تصاویر لینے کی خاص طور پر ہدایت کی تھی۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ ایک بار پھر کوٹھی میں داخل ہوئے



یہاں سب لوگ ایک جگہ جمع تھے اور فاطمہ کو بھی سب کے درمیان بٹھایا گیا تھا۔

"ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ ہار کس نے چرایا ہے اور ہار کی چوری کا اسلام دین کے قتل سے کیا تعلق ہے، لیکن بہت جلد ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی، اگر آپ میں سے کوئی ہمیں کچھ بتانا چاہے تو بتا سکتا ہے، ہم اس کے شکر گزار ہوں گے۔"

ان کی بات کے جواب میں کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی کچھ بتانے کے قابل نہیں تھا۔ انہیں خاموش پا کر انسپکٹر جمشید فواد ہاتمی کی طرف مڑے۔

"اچھا تو میں آپ سے چند سوال کروں گا، وہ ہار آپ نے کب خریدا تھا؟"

"ایک سال پہلے، میرے پاس اس کی رسید موجود ہے، اس پہ تاریخ درج ہے۔" فواد ہاتمی نے کہا۔

"کیا آپ نے ہار کا بیمہ کرا رکھا تھا؟"

"جی نہیں!"

"جس روز آپ نے ہار خریدا، آپ کے ساتھ کون کون تھا؟"

"روبینہ بیٹی کے علاوہ اسلام دین بھی اس روز ہمارے ساتھ تھا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہار کتنے کا خریدا گیا تھا؟"

"پچانوے ہزار روپے کا۔"

"بہت خوب! اس کی رسید مجھے دے دیں، ہم جوہریوں کی دکانوں پر بھی چھان بین کریں گے، ہو سکتا ہے، چور کسی دکان پر ہار بیچنے آئے۔" انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے، میں ابھی لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر فواد ہاتی چلا گیا۔

"مس روبینہ! آپ بالکل غمگین نظر نہیں آتیں، کیا آپ کو ہار کی کوئی پروا نہیں؟"

"ڈیڈی نے صبح سویرے ہی مجھے بالکل ایسا ہی ہار لے کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے، پھر بھلا میں کیوں پروا کروں۔" اس نے کہا۔

"مسٹر شہزاد ہاتی! کیا آپ بتا سکتے ہیں، یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

اتنے میں فواد ہاتی آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں رسید تھی۔ انسپکٹر جمشید نے رسید لے کر اس پر ایک نظر ڈالی اور جیب میں رکھ لی۔

"آپ کے سیکرٹری عارف بھائی کب سے آپ کے پاس ملازم ہیں؟"

"بہت پرانے، مجھے ان پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اپنے آپ پر۔"



فواد ہاتی بولا۔

"اور آپ کے دوست عرفان قادری؟"

"یہ میرے بچپن کے دوست ہیں۔"

"اور شاکا کب سے آپ کے گھر ملازم ہے؟"

"شاکا کو بھی ملازمت کرتے پانچ سال گزر گئے، کبھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔"

"اسلام دین کب ملازم ہوا تھا؟"

"آج سے دس سال پہلے، اس وقت فاطمہ تین چار سال کی تھی اور اتنی ہی عمر روبینہ کی تھی، یہی دیکھ کر میں نے اسے ملازم رکھ لیا تھا کہ میری بیٹی اس کی بیٹی کے ساتھ کھیلا کرے گی، چنانچہ ان دونوں میں اب بھی کافی لگاؤ ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے خیال میں گھر کا کوئی فرد چور نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اسلام دین بھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! میرا تو یہی خیال ہے۔"

"تب پھر ہار کہاں گیا اور ان حالات میں میں آپ کو اس خط کے الفاظ یاد کراتا ہوں، جو محمود، فاروق اور فرزانہ کو کل ملا تھا، اس میں لکھا تھا، گھر میں ایک چور موجود ہے۔ وہ اس گھر کی ایک چیز چرانا چاہتا ہے اور اسے وہ چیز چرانے سے آپ اور صرف آپ روک سکتے ہیں، یہ الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ

چور گھر کا ہی کوئی آدمی ہے اور جس کسی نے بھی یہ خط لکھا ہے وہ چور کو اچھی طرح جانتا ہے، لیکن نہ جانے کیوں، وہ خود کو ظاہر نہیں کرتا، اب ہمیں دو باتیں تفتیش کے ذریعے معلوم کرنی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ خط گھر میں سے کس نے لکھا تھا اور دوسری یہ کہ ہار کس نے چرایا اور ہم بہت جلد یہ معلوم کر لیں گے۔" ان کے الفاظ ختم ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

○

انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھایا، دوسری طرف آئی جی تھے، وہ کہہ رہے تھے۔

"گھر فون کیا تو پتا چلا تم یہاں ہو، میرا خیال ہے، یہ اتنا ضروری کیس نہیں ہو گا، جب کہ تمہاری دفتر میں ضرورت ہے، ایک ضروری میٹنگ ہے، اس میں تمہاری شرکت ضروری ہے، لہٰذا دو تین گھنٹے کے لیے چلے آؤ، پھر بے شک فواد ہاتمی کے ہاں چلے جانا۔"

"جی بہت بہتر، جیسے آپ کا حکم۔" انسپکٹر جمشید نے باادب ہو کر کہا۔

"ویسے یہاں حالات کیا ہیں، سنا ہے، کوئی قتل ہو گیا ہے؟"

"جی ہاں! ہیروں کے ایک ہار کا معاملہ ہے۔" انہوں نے بتایا۔



"کوئی پیچیدگی تو نہیں۔"

"ابھی تک قاتل کی شخصیت کے بارے میں کوئی اندازہ قائم نہیں ہو سکا۔"

"خیر! یہ تو بعد میں بھی ہوتا رہے گا، محمود، فاروق اور فرزانہ تو یہیں ہوں گے۔"

"جی ہاں!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر وہ خود ہی سنبھال لیں گے، تم انہیں ہدایات دے کر چلے آؤ۔"

"بہت بہتر!"

آئی جی سے سلسلہ بند کرنے کے بعد انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے۔

"مجھے دفتر جانا پڑ گیا ہے، تم میری واپسی تک یہیں رہو گے اور ہر چیز کا بغور جائزہ لو گے، یہ پرزہ بھی تم اپنے پاس ہی رکھ لو، ضائع نہ ہونے پائے۔" انہوں نے جیب سے وہ پرزہ نکالتے ہوئے کہا جو اسلام دین کی جیب سے نکلا تھا۔

"جی بہتر... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کس وقت تک مل جائے گی؟"

"شاید میری واپسی سے پہلے ہی مل جائے اور انگلیوں کے نشانات کی رپورٹ بھی مل جائے گی، تم ہوشیار رہنا، ہو سکتا ہے،

قاتل کوئی اور وار کر جائے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اس کا امکان ہے، ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اسے اسلام دین کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"خیر! آپ جائیے، ہم دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں۔"

ان کے جانے کے بعد تینوں فواد ہاتمی کے پاس آئے اور ان سے ایک الگ کمرے کی درخواست کی۔ اس نے فوراً شاکا سے کہا اور شاکا نے ان کے لیے ایک کمرہ ٹھیک کر دیا۔

"ہم ذرا آپس میں مشورہ کر لیں، اس کے بعد ہم آپ میں سے ہر ایک سے چند سوال کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"میرے خیال میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا، کیوں کہ تمہارے والد پہلے ہی سوال کر چکے ہیں۔" روبینہ ہاتمی نے اکتا کر کہا۔

"یہ نہ بھولیے کہ یہ آپ کے ہی ایک ہار کا معاملہ ہے، جس کی خاطر ایک انسان بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔"

"اس نے ہار چرایا تھا، قدرت کی طرف سے اسے سزا مل گئی۔" روبینہ بولی۔

"ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ہار چرایا تھا۔" فرزانہ تملا کر بولی۔



"بڑی بات ہے بیٹی۔" فواد ہاتمی نے بیٹی کو نرمی سے کہا، "یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں اور ہمارے ہی لیے کام کر رہے ہیں، ہم پہلے ہی کل ان تینوں سے زیادتی کر چکے ہیں، ان کی بات پر دھیان تک نہیں دیا تھا۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے، بہرحال، میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں، اُمید ہے، انہیں مجھ سے کچھ نہیں پوچھنا ہو گا، اور اگر ضرورت پیش آ جائے تو یہ میرے کمرے میں آ کر پوچھ سکتے ہیں۔"

اس نے تیز آواز میں کہا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

"اس کی باتوں کا برا نہ ماننا، یہ بہت تیز دماغ کی ہے اور یہ تیزی اس سوکھے ہوئے بازو کی وجہ سے ہے۔" فواد ہاتمی نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں، ہم ایسی باتیں سننے کے عادی ہیں، اب ہم ذرا کمرے میں جا کر مشورہ کر آئیں.... اور یہ فاطمہ بہن کہاں چلی گئی؟"

"اپنے کوارٹر میں جا کر رو رہی ہو گی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا اور پھر وہ اس کمرے کی طرف چل پڑے جو ان کے لیے شاکا نے تیار کیا تھا۔

ابا جان کاغذ کا یہ پرزہ ہمیں بلاوجہ نہیں دے گئے، جیب سے نکال کر ہمیں دینے سے ضرور ان کا کوئی مقصد تھا۔" محمود نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے، نکالو اسے۔"

اس نے پرزہ پھیلا کر میز پر رکھ دیا اور پھر وہ خط بھی نکالا جو انہیں ڈاک میں ملا تھا۔ دونوں کو برابر برابر رکھ کر جب انہوں نے دیکھا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ یہ حقیقت ان پر واضح ہو گئی کہ لکھنے کا انداز دونوں کاغذوں پر بالکل ایک ہاتھ کا تھا اور اسلام دین کی بیٹی فاطمہ ان کے سامنے یہ اقرار کر چکی تھی کہ کاغذ کے پرزے پر سودے کی تفصیل اسی نے لکھی تھی۔

---



# وہ چور تھا

کوارٹر میں سے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ رفتار کبھی کم پڑ جاتی اور کبھی پھر تیز ہو جاتی، تینوں چند لمحے تک دروازے پر کھڑے ان سسکیوں کو غور سے سنتے رہے، آخر محمود نے دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل گیا، لیکن فاطمہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی، وہ چارپائی پر اوندھی لیٹی تھی، اس کا منہ تکیے میں چھپا ہوا تھا، جسم ہچکیاں لینے سے ہل رہا تھا۔ تینوں ایک ہی فیصلے پر پہنچے، اس کا رونا مصنوعی نہیں، وہ سچ مچ رو رہی تھی۔

"فاطمہ بہن! آخر تم کب تک روتی رہو گی، اب تم پر ایک فرض عائد ہوتا ہے، تمہیں اس کی فکر کرنی چاہیئے۔" محمود نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

سسکیاں اور ہچکیاں رک گئیں۔ آہستہ آہستہ فاطمہ نے اپنا سر موڑا، وہ اس کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئے، شاید وہ لاش ملنے سے لے کر اب تک مسلسل روتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں

بالکل سرخ تھیں، ناک کی نوک بھی حد درجے سرخ ہو رہی تھی اور ہونٹوں کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا، چند لمحے تک وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی، پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"میں سمجھی نہیں! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، میں آپ کو کوٹھی کے اندر دیکھ چکی ہوں، کل بھی آپ ہمارے گھر آئے تھے، آخر آپ لوگ کون ہیں، اور کیا چاہتے ہیں، ابھی ابھی آپ کا یہ کہنے سے کیا مطلب تھا کہ مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا ہے۔"

"ہاں! میں نے ٹھیک ہی تو کہا ہے، رونے دھونے کی بجائے اب آپ کو اپنے باپ کے قاتل کو گرفتار کرانے کی فکر کرنی چاہیئے۔"

"بھلا میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں، مجھے کیا معلوم، انہیں کس نے قتل کیا ہے۔" اس نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

"یہ کام ہمارا ہے، اسے ہم تلاش کریں گے، آپ چند سوالوں کے جواب تو دے سکتی ہیں۔"

"میں تو ہر اس سوال کا جواب دے سکتی ہوں جو مجھ سے کیا جائے گا، بھلا میں کیوں نہ چاہوں گی کہ قاتل گرفتار ہو جائے جس نے مجھے میرے پیارے باپ سے جدا کر دیا، اب کون مجھے اپنے سینے سے لگائے گا، کون پیار کرے گا۔"

اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے،



تینوں پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اسے رونے سے روکیں، کئی منٹ بعد جا کر فاطمہ نے اپنے اوپر قابو پایا اور بولی:

"آپ پوچھیے، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"کاغذ کے اس پرزے پر سودوں کے نام آپ نے لکھ کر اپنے بابا کو دیئے تھے۔" محمود نے پہلا سوال کیا۔

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔"

"بہت خوب! آپ کا کیا خیال ہے، ہار کس نے چرایا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ بولی۔

"میں نے ایک نظریہ قائم کیا ہے، شاید آپ بھی اس سے اتفاق کریں، نظریہ یہ ہے کہ چور ہیرے کا ہار چرا کر بھاگا جا رہا تھا کہ آپ کے بابا نے اسے روکنے کی کوشش کی اور اس نے پکڑے جانے کے خیال سے انہیں ختم کر دیا۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر بولی: "مجھے ایسی باتوں کا کیا تجربہ، یہ تو پولیس والے جانیں کہ کیا واقعہ ہوا ہو گا۔"

"فاروق! تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔" محمود اس کی طرف مڑا۔

"تمہارا خیال بالکل بے تکا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ کیسے؟"

"بابا اسلام دین تو باورچی خانے میں پڑا ملا ہے اور دروازہ اندر سے بند تھا، پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ چور کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ یہ بات اس وقت ضرور کہی جا سکتی تھی جب وہ کسی کھلی جگہ پڑا ملا ہوتا، مثلاً کوٹھی کے صحن میں یا باہر۔"

"تو پھر قاتل نے اسے کس طرح ختم کیا؟" فرزانہ نے کہا۔

"کھڑکی کے راستے۔" محمود بولا۔

"تو کیا اس نے خنجر پھینک کر مارا، کیونکہ لاش کمرے کے درمیان میں ملی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تب وہ بہت ماہر نشانہ باز تھا، کیونکہ اسے خنجر کھڑکی کی سلاخوں کے درمیان سے گزارنا تھا۔"

"آخر ان سب باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے۔" فاطمہ کے چہرے پر الجھن نظر آنے لگی۔

"آپ وہ سب کچھ بتا دیں، جو آپ اس واردات کے بارے میں جانتی ہیں۔"

"واردات کے بارے میں مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے۔"

"ہمارا خیال یہی ہے کہ آپ بہت کچھ جانتی ہیں۔" فرزانہ نے



ایک دم کہا۔

"کیا!!" وہ زور سے چیخی۔

"ہاں! یہ پرزہ تم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، اس بات کا اقرار تم پہلے بھی کر چکی ہو اور اب بھی۔"

"تو میں اس سے کب انکار کر رہی ہوں، لیکن اس پرزے کا واردات سے کیا تعلق ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر یہ پرزہ تمہارا لکھا ہوا ہے تو یہ خط بھی پھر تم نے ہی ہمیں لکھا تھا۔" محمود نے ڈرامائی انداز میں خط نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

"خط!!" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! یہ خط بھی تم نے ہی ہمیں لکھا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں معلوم تھا، اس گھر میں ایک چور موجود ہے جو چوری کرنے والا ہے، تم ہم سے اچھی طرح واقف تھیں، ہمارے بارے میں اخبارات میں پڑھتی رہی ہو گی، لہذا تم نے ہمیں یہ خط لکھ دیا، تم نے ایسا کیوں کیا، یہ ہم ابھی نہیں جانتے، کیونکہ سیدھی سی بات ہے، اگر تمہیں یہاں کسی چور کی موجودگی کا پتا چل گیا تھا تو پھر تو تمہیں یہ بات فوراً فواد ہاتی کو بتا دینی چاہیئے تھی، لیکن تم نے اس کے بجائے کیا یہ کہ ہمیں خط لکھ دیا۔ اب یہ بات اعلانیہ کہی جا سکتی ہے کہ تم

اس چور سے واقف ہو، قاتل بھی وہی ہے، اسے گرفتار کرانا
تمہارا فرض بھی ہے اور اس طرح اپنے باپ کا انتقام بھی لے
سکو گی۔ تم اس خط کی موجودگی میں اس بات سے انکار نہیں کر
سکتیں کہ چور سے واقف تھیں۔"

اس کی سسکیاں ایک بار پھر شروع ہو گئیں۔ وہ انتظار
کرنے لگے، انہیں شک ہونے لگا، کہیں فاطمہ کا یہ رونا دھونا
مصنوعی تو نہیں، اسی وقت اس نے سر اوپر اٹھایا اور بولی۔

"یہ ٹھیک ہے کہ خط میں نے ہی آپ لوگوں کو لکھا تھا
میں آپ سے اچھی طرح واقف بھی ہوں، میں نے آپ کے بارے
میں اخبارات میں بہت کچھ پڑھا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے
کہ میں ہیرے کے ہار کے چور اور اپنے باپ کے قاتل کے
بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتی۔"

"کیا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ ایک ساتھ چلائے۔ کیونکہ
ان کے خیال میں فاطمہ نے ایک بہت ہی عجیب بات کہہ
دی تھی۔

○

دروازے کی گھنٹی نے ان کی توجہ فاطمہ سے ہٹا دی۔ گھنٹی
بجانے کا انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔



"ہم تم سے پھر سوال کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اندرونی دروازے سے ہوتے ہوئے کوٹھی کے
صدر دروازے کی طرف آئے۔ یہاں انسپکٹر جمشید، اکرام کے ساتھ
موجود تھے۔ اکرام کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

"السلام علیکم انکل! بہت تھکے تھکے نظر آ رہے ہیں۔"

"جوہریوں کی دکانوں پر تفتیش کرتے کرتے یہ حال ہو گیا؛" اس
نے کہا۔ "اور ابھی بے شمار دکانیں باقی ہیں۔"

"تم نے غلطی کی اکرام، نئے بھرتی ہونے والے حوالدار محمد حسین
آزاد کو اپنے ساتھ لگا لیتے، کچھ دکانیں اس کے حصے میں آ
جاتیں اور کچھ تمہارے، وہ کافی ذہین ہے، باقی دکانوں پر
اسے لگا دو۔"

"اس کی مصیبت یہ ہے کہ وہ خود کو مولانا محمد حسین آزاد
سمجھتا ہے اور وقت بے وقت شعر پڑھتا رہتا ہے۔" اکرام
نے منہ بنایا۔

"کیا رپورٹ ہے، تم نے کوئی کام دکھایا یا نہیں؟" انسپکٹر
جمشید نے ان سے پوچھا۔

"ایک بڑی خاص بات معلوم کی ہے، کیا پوسٹ مارٹم وغیرہ
کی رپورٹ آ گئی ہے؟"

"ہاں! آ گئی ہے، ہمارے پاس بھی تمہارے لیے ایک حیران

کوئی خبر ہے؟"

"تو پھر آیئے، ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر حیرت انگیز خبروں کا آپس میں تبادلہ کر لیں۔" فاروق نے کہا اور سب مسکرا دیے۔

وہ اندر آ کر بیٹھ گئے۔ گھر کے افراد سے معذرت کر لی گئی تھی کہ وہ کچھ دیر تنہائی چاہتے ہیں، ورنہ فواد ہاشمی وغیرہ تو ان کے ساتھ ہی چلے آ رہے تھے۔

"ہاں بھئی! پہلے تم بتاؤ، تم نے کون سی حیرت انگیز بات معلوم کی ہے؟"

"وہ خط ہمیں بابا اسلام دین کی بیٹی فاطمہ نے لکھا تھا۔"

"خوب! تم نے یہ بات کس طرح معلوم کر لی؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہوئے بغیر کہا۔

"کیا بات ہے ابا جان! آپ کو یہ سن کر حیرت نہیں ہوئی؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! کیونکہ مجھے یہ بات پہلے ہی معلوم ہے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"پہلے تم بتاؤ۔"

"سودا سلف والے پرزے کی تحریر میں اور اس خط کی تحریر میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ فاطمہ یہ اقرار کر چکی ہے کہ خط اس نے لکھا تھا۔"



"ٹھیک ہے، میں تو اس پرزے کو دیکھ کر ہی یہ بات جان گیا تھا، دونوں کاغذوں کو ساتھ ساتھ رکھنے کی مجھے ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ! اور آپ کے پاس کیا خبر ہے؟"

"ایک خوف ناک خبر، ایسی خبر جس کی امید پورے گھر میں کسی کو بھی نہیں ہو سکتی۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر جلدی بتایئے نا، میں خوف زدہ ہونے کے لیے بے چین ہوں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"خبر یہ ہے کہ آج سے بارہ سال پہلے اس شہر میں ایک چور نے بہت اودھم مچایا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

"لیکن ابا جان! اس خبر میں تو مجھے دور دور تک خوفناکی نظر نہیں آئی۔"

"تم نے پوری بات کب سنی ہے، ہاں تو پولیس نے اسے پکڑنے کی سر توڑ کوشش کی، لیکن بڑی طرح ناکام رہی، پھر وہ چور ایک دم غائب ہو گیا، اس نے چوریاں کرنا چھوڑ دیا۔ پولیس ایک مدت تک اسے تلاش کرتی رہی، لیکن وہ نہ ملا، اس کی انگلیوں کے نشانات ہر جگہ ملتے رہے تھے، لٹنے والے کچھ لوگوں نے اس کا حلیہ بھی بتایا تھا اور اب یہ بات ثابت

ہو گئی ہے کہ بابا اسلام دین ہی وہ چور تھا۔"

"کیا!!!"

وہ اتنی زور سے چلائے کہ ڈرائننگ روم کی دیواریں جھنجھلا اٹھیں۔ ساتھ ہی انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

---



# نئومی جیولرز

دوڑ کر آنے والے گھر کے افراد تھے۔ شاید وہ ان کے چلانے کی آواز سن کر دوڑ پڑے تھے، لیکن کمرے میں سب خیریت دیکھ کر دروازے ہی میں رک گئے۔

"یہ چلانے کی آواز کیسی تھی؟" فواد ہاتی کے منہ سے نکلا۔

"یہ تینوں چلائے تھے، دراصل میں نے انہیں بتایا تھا کہ بابا اسلام دین بارہ سال پہلے ایک بہت چالاک چور تھا، اتنا چالاک کہ اسے پولیس کبھی گرفتار نہ کر سکی، لیکن بارہ سال پہلے اس نے چوری کی وارداتیں بند کر دی تھیں، وہ آپ کے پاس کب سے ملازم تھا؟" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"اسلام بابا چور تھا!" فواد ہاتی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اس میں اب کوئی شک نہیں رہا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"وہ میرے پاس کوئی دس سال سے ملازم تھا۔" فواد ہاتی نے کہا۔

"لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہ ہار چرانے کے لیے یہاں ملازم ہوا تھا، کیونکہ ہار تو ابھی صرف ایک سال پہلے خریدا گیا تھا اور وہ یہاں اس سے بھی بہت سال پہلے ملازم ہوا تھا، اس کا مطلب ہے وہ واقعی چوری کرنا چھوڑ چکا تھا اور شریفانہ زندگی گزارنے لگا تھا۔ اس دوران اس نے داڑھی بھی رکھ لی، لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہار والے معاملے سے اس کا کیا تعلق ہے اور اس سوال کا جواب ہمیں فاطمہ دے سکتی ہے، مہربانی فرما کر اسے یہاں بھیج دیں اور باقی حضرات باہر چلیں جائیں، اب ہم ہر ایک سے باری باری کچھ سوال کریں گے۔"

"بہت بہتر!" فواد ہاتی نے کہا اور سب باہر چلے گئے۔

"اکرام! تم باقی دکانوں پر بھی اپنا کام ختم کر لو اور محمد حسین آزاد کو بھی ساتھ لگا لو۔"

"جی بہتر!"

"اور جب یہاں آئیں تو انہیں ساتھ ہی لیتے آئیں، ان کا نام سن کر ان سے ملنے کو جی چاہنے لگا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اچھی بات ہے۔" اکرام نے کہا اور وہ بھی چلا گیا۔

فاطمہ سے پہلے تنویر بخاری اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے بھی تھکن ظاہر تھی۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تمام بدمعاشوں کو ٹٹول چکا ہوں جناب، ہیروں کا ہار کہیں



نہیں ملا۔"

"خیر کوئی بات نہیں، ہار شاید یہیں کہیں موجود ہے، تم بیٹھو۔" انہوں نے کہا۔ اسی وقت فاطمہ اندر داخل ہوئی، اب وہ قدرے خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

"تو وہ خط تم نے لکھا تھا؟"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"ہیرے کا ہار کون چرانا چاہتا تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے نہیں معلوم!" وہ بولی۔

"پھر تم نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ اس گھر میں ایک چور موجود ہے جو ایک چیز چرانا چاہتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"میں نے رات کے اندھیرے میں دو سایوں کو باتیں کرتے سنا تھا، ان میں سے ایک سخت لیکن دبی آواز میں کہہ رہا تھا تمہیں وہ ہار چرانا ہی ہو گا، ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہو گا۔" فاطمہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"اگر بات صرف اتنی تھی تو پھر تو تمہیں چاہیے تھا، فواد ہاتی صاحب کو بتا دیتیں اور وہ پولیس کی مدد حاصل کر لیتے، اس کے لیے تم نے اتنا پیچیدہ طریقہ کیوں اختیار کیا کہ انہیں پراسرار انداز میں خط لکھ مارا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے ان کے اور آپ کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا

بس جو میرے ذہن میں آیا ، میں کر گزری" اس نے کہا۔

"بات یہ نہیں ، کچھ اور ہے ، تم کچھ چھپا رہی ہو ، سنو بیٹی ، مجھے تم سے بہت ہمدردی ہے ، ہم یہ بات جان گئے ہیں کہ تمہارا باپ ایک بہت بڑا چور تھا ، لیکن یہ بارہ تیرہ سال پہلے کی بات ہے ، بعد میں شاید اس نے چوری چھوڑ دی تھی ، لیکن خود کو قانون سے چھپائے رکھا تھا ، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ بھی تمہیں معلوم ہے ، مجھے بتا دو۔"

"تت ... تو .... آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "پھر تو کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ، سنیے : میں بتاتی ہوں ، مجھے بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ میرا باپ ایک چور رہ چکا ہے ، وہ تو بہت ہی نیک اور بھلے انسان تھے۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے ، خدا جانے وہ کیا حالات تھے جنہوں نے انہیں چور بننے پر مجبور کر دیا تھا ، تاہم میری پیدائش کے بعد انہوں نے چوری سے توبہ کر لی تھی یہ آج سے ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے ، رات کے نو بجے تھے اور میں سونے کے لیے لیٹ چکی تھی ، میری آنکھیں بند تھیں ، بابا بھی لیٹ گئے تھے ، اچانک ہمارے کوارٹر کے دروازے پر دستک ہوئی ، بابا نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا۔

"کون ہے ؟"



"شہباز جانی ! میں تم سے کچھ بات کرنے آیا ہوں ، باہر آ کر میری بات سُن لو" باہر سے کسی نے دبی آواز میں کہا۔

"کون ہو تم ، میرا نام اسلام دین ہے" میرے بابا نے لرزتی آواز میں کہا اور میں حیران رہ گئی۔

"میں تمہیں پہچان چکا ہوں جانی ، اور اگر چاہوں تو ابھی پولیس کو بلوا کر تمہیں گرفتار کرا سکتا ہوں ، لیکن اگر تم میری بات سن لو میں ایسا نہیں کروں گا"

"ٹھہرو ! میں باہر آتا ہوں ، اندر میری بیٹی سو رہی ہے ، کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے اور وہ یہ باتیں سن نہ لے"

میرے بابا کے یہ الفاظ میرے لیے بہت سنسنی خیز تھے۔ ان کے کمرے سے نکلنے کے بعد میں آہٹ پیدا کیے بغیر اٹھی اور دروازے سے کان لگا دیئے۔ وہ شخص میرے بابا سے کہہ رہا تھا

"تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شہباز جانی ہو ، پولیس کی فائلوں میں آج بھی تمہارا نام ، حلیہ اور انگلیوں کے نشانات موجود ہیں ، میرے ایک اشارے کی دیر ہے ، تم سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے !"

"تم کون ہو ؟" اب میرے بابا کی آواز تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ؟" میں نے محسوس کیا ، بڑی مشکل سے میرے بابا نے یہ جملہ ادا کیا ہے۔

"فواد ہاتی کی بیٹی کے پاس ہیروں کا ایک ہار ہے وہ ہار اڑا کر مجھے

دے دو، یہ مجھے تم بتاؤ گے کہ ہار چرا کر کس جگہ لاؤ گے؟"

"دیکھو! میں بارہ سال ہوئے یہ کام چھوڑ چکا ہوں، اب مجھ سے یہ کام نہ کراؤ، جس دن میرے گھر بیٹی پیدا ہوئی تھی، اسی روز میں نے چوری سے توبہ کر لی تھی، مجھ سے یہ کام نہ کراؤ، اب میں ایک بیٹی کا باپ ہوں، اسے اگر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا باپ ایک چور ہے تو جیتے جی مر جائے گی اور میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔"

"کچھ بھی ہو، یہ کام تو تمہیں کرنا ہی ہو گا، تم پر کوئی شک نہیں کر سکے گا کیونکہ ہار یہاں سے برآمد نہیں ہو گا۔"

"خدا کے لیے مجھ سے یہ کام نہ لو۔" میرے بابا گڑگڑائے۔

"اگر تم نے ایک ہفتے کے اندر یہ کام نہ کیا تو میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا، موقعے کی تلاش میں رہو، میں ہر روز آ کر تم سے معلوم کر لیا کروں گا۔"

"اچھا تو پھر یہاں نہ آنا، میری بیٹی کو شک ہو جائے گا، میں کوٹھی کا صدر دروازہ کھول دیا کروں گا، تم باورچی خانے کی کھڑکی کے نیچے آ کر چھپ جایا کرنا، جس روز بھی میرا داؤ لگ گیا، ہار لا کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"بہت خوب! مجھے یقین تھا، تم یہ کام ضرور کرو گے۔ ٹھیک ہے، اب میں کل رات آؤں گا اور سات دن تک آتا رہوں گا بشرطیکہ سات دن سے پہلے ہی تم نے ہار نہ لا کر دے دیا۔ ساتویں



دن بھی اگر مجھے ہار نہ ملا تو پولیس کو یہ بتا دیا جائے گا کہ تم دراصل کون ہو، ظاہر ہے تم اپنی بیٹی کو لے کر فرار نہیں ہو سکے گے اور بیٹی سے جدا ہونا بھی تم پسند نہیں کرو گے، لہٰذا سوچ لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے قدموں کی آواز سنائی دی، وہ جا رہا تھا، پھر میرے بابا اندر آ گئے۔ میں سوتی بن گئی۔ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ آخر بابا کو اس چوری سے بچانے کی یہی ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی کہ ان تینوں کو خط لکھ کر یہاں بلا لوں۔ خیال یہی تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، ان کے ڈر سے اس چوری سے باز آ جائے، لیکن ہوا الٹ، ہار تو چوری ہو ہی گیا، بابا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

یہ کہہ کر فاطمہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحے تک وہ سوچ میں ڈوبے رہے۔

"یہ بات تو صاف ہو گئی کہ بابا اسلام دین نے اس شخص کے لیے ہار چرایا تھا، ہار لے کر وہ باورچی خانے میں آئے ہوں گے، انہوں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور کھڑکی تک چلے آئے۔ یہاں دوسری طرف وہ شخص موجود تھا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ ہار لے آئے ہیں، اس نے ہار لینے کے لیے بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جونہی بابا اسلام دین نے ہار اس کے حوالے کیا، اس نے دائیں ہاتھ سے خنجر کا بھرپور وار اس کی کمر پر کیا۔ ایسا کرنے کا فیصلہ وہ پہلے ہی کر چکا تھا، مگر

اس کے بارے میں کوئی کچھ نہ جان سکے۔ ظاہر ہے، بابا اسلام دین
زندہ رہتے تو کم از کم وہ اس کی آواز تو پہچان ہی سکتے تھے، خنجر
کھا کر اسلام دین کے منہ سے چیخ نکلی ہو گی، لیکن رات کا وقت
ہونے کی وجہ سے شاید کوئی چیخ کو نہ سن سکا، لیکن میرا خیال ہے
فاطمہ بیٹی تو ضرور جاگ رہی ہو گی، کیوں بیٹی!"

"ہاں! میں جاگ رہی تھی اور میں نے چیخ کی آواز بھی سنی تھی،
جب میں کھڑکی کے قریب آئی تو ہر طرف اندھیرا تھا، اندر کچھ بھی
نظر نہ آیا۔ پھر میں ماچس لے کر آئی اور اس کی روشنی میں اندر اپنے
بابا کو پڑا پایا۔ ان کی کمر میں خنجر گڑا تھا۔
میں روتی ہوئی واپس آ گئی، کر بھی کیا سکتی تھی۔ انجان اس لیے
بنی رہی کہ بابا ایک چور ظاہر نہ ہوں، لیکن یہ ہونا تھا، ہو کر رہا۔"
اس نے کہا۔

"اب صورت حال کسی قدر واضح ہو چکی ہے۔ کیا تم اس کی آواز
پہچان لو گی؟"

"جی ہاں! میں فوراً پہچان لو گی۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے! تم یہیں بیٹھ جاؤ، میں ایک ایک آدمی کو اندر
بلواؤں گا، تم غور سے سنتی رہنا۔ وہ آواز سنو تو اپنے سر کی طرف
ہاتھ لے جانا، میں سمجھ جاؤں گا اور تم نے جو باتیں بتائی ہیں، کسی
کو نہ بتانا، ورنہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"



"جی بہت اچھا۔" اس نے سہم کر کہا۔

"محمود دروازے پر جا کر فواد ہاتی صاحب کو آواز دو۔"

"جی بہتر۔"

ایک منٹ بعد فواد ہاتی ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

"وہ ہار آپ نے ایک سال پہلے خریدا تھا، یہ ہمیں معلوم ہے
یہ بتائیے، کس دکان سے خریدا تھا؟"

"شومی جیولرز سے، ان کی دکان شاہجہان روڈ پر ہے۔"

"اور اسلام دین اس وقت آپ کے ساتھ تھا؟"

"ہاں! ہم تینوں وہاں گئے تھے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے، گھر کا کوئی آدمی ہار چرا سکتا ہے؟"

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔" اس نے کہا۔

"شاکا بھی نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"نہیں! مجھے اس پر اعتماد ہے۔" فواد ہاتی بولا۔

"اعتماد تو آپ کو اسلام بابا پر بھی تھا، لیکن آپ کو اس کے
بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" فواد ہاتی چونکا، کیونکہ ابھی یہ بات کسی کو
نہیں بتائی گئی تھی کہ اسلام دین دراصل کون تھا۔

"اب آپ آرام کریں، میں اسلام دین کے بارے میں سب
کو ایک ساتھ ہی بتاؤں گا۔"

"جی بہتر!" فواد ہاتمی اٹھتے ہوئے بولا۔
"اور ہاں! اپنے بھائی شہزاد ہاتمی کو بھیج دیں۔"
"اچھا!" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔
"محمود، فاروق، فرزانہ! تمہیں ایک کام کرنا ہے!" وہ ان کی طرف مڑے۔
"جی فرمائیے!" تینوں ایک ساتھ بولے۔
"شومی جیولرز کے ہاں چلے جاؤ۔ اس کے مالک سے مل کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو، جو کچھ بھی معلوم کر سکو کر لینا۔"
"بہت بہتر! کیا ہم ابھی جائیں؟" فرزانہ نے پوچھا، کیونکہ وہ یہاں کی کارروائی بھی مکمل طور پر سننا چاہتے تھے۔
"ہاں! یہ کام بہت ضروری ہے، یہاں جو باتیں معلوم ہوں گی، میں تمہیں بتا دوں گا!" انہوں نے کہا اور تینوں اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑے۔ دوسری طرف سے شہزاد ہاتمی اندر آ رہا تھا اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے، وہ ان کے پاس سے گزرتے چلے گئے۔

شومی جیولرز ایک شاندار دکان تھی۔ ہر طرف شیشے کے شو



کیسوں میں سونے اور ہیرے کے زیورات سجے تھے۔ چاندی کے برتن بھی تھے۔ دکان کے تین کاؤنٹر تھے اور ان پر ایک ایک سیلز مین موجود تھا۔ وہ پہلے کاؤنٹر پر رک گئے۔
"ہمیں دکان کے مالک سے ملنا ہے!"
"آپ کو ان سے کیا کام ہے؟" سیلز مین نے پوچھا۔
"ایک ہار کے بارے میں بات کرنی ہے!"
"ہیروں کے ہار کے بارے میں؟" سیلز مین نے سوالیہ لہجے میں کہا۔
"ہاں!"
"اندر چلے جائیے۔ سامنے ہی کمرے کا دروازہ بند ہے!"
"بہت بہت شکریہ!"
وہ دروازے پر پہنچے اور بند دروازے پر دستک دی۔
"اندر چلے آئیے!" اندر سے آواز آئی۔ دروازے کو دھکیل کر وہ کمرے میں گھس گئے، ان کی نظر ایک موٹے آدمی پر پڑی جس کا رنگ کالا تھا۔
"کون ہو تم!" اس نے جھلا کر کہا۔ شاید اسے کسی گاہک کی اُمید تھی۔
"آپ کی نظر کمزور ہے کیا!" فاروق نے بھی جھلا کر کہا۔
"شٹ اپ! تمہیں اندر کس نے آنے دیا!" اس نے حلق پھاڑ

کر کہا۔

"آپ کے سیلز مین نے، کیونکہ ہم ہیروں کے ہار کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں:" محمود مسکرایا۔

"اوہ تو یہ کہو نا.... کیا تم ہیروں کا کوئی ہار فروخت کرنے آئے ہو"

"ہم اس ہار کے بارے میں بات کریں گے جو فواد ہاشمی ایک سال پہلے اپنی بیٹی کے لیے خرید کر لے گئے تھے:"

"تت... تو وہ ہار تمہارے پاس ہے:" موٹا آدمی ہکلایا۔

"پہلے اپنا تعارف کرائیے، اس کے بعد اطمینان سے بات کریں گے"

"مجھے خالد منصور کہتے ہیں:" اس نے جلدی سے کہا۔

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں:" محمود نے بھی تعارف کرایا۔

"ہو گئے، اب یہ بتاؤ، بات کیا ہے؟"

"ہمارے پاس وہ ہار موجود ہے:" فرزانہ نے اچانک کہا، محمود اور فاروق اسے گھورنے لگے۔

"کیا!!!" خالد منصور اچھل پڑا.... پھر اس کا ہاتھ فون کی طرف بڑھا۔

"پولیس کو فون کر کے تم نقصان میں ہی رہو گے:" فرزانہ نے پرسکون آواز میں کہا۔

"اس ہار کو فروخت کرنا ہمارے بس سے باہر ہے، ہم تو اسے چرا کر ہی پچھتائے ہیں، اگر تم پولیس کو اطلاع نہ دو تو ہم وہ ہار تمہارے ہاتھ اونے پونے فروخت کرنے پر تیار ہیں:" فرزانہ نے



پیش کی۔

"میں اس ہار کے تمہیں تین سو روپے دے سکتا ہوں:" خالد [illegible]ور نے کہا۔

"ایک لاکھ روپے کے ہار کے تین سو روپے:" فرزانہ نے [illegible]یں نکالیں۔

"چلو پانچ سو لے لو، اس سے زیادہ ایک پیسہ نہیں دوں گا:"

"بہت خوب! کیا تم یہ کام پہلے بھی کرتے رہے ہو:" فرزانہ [illegible]ح انداز میں مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہارے ہاں سے جو قیمتی ہار فروخت ہوتا ہے اپنے واقف چور اس کے پیچھے لگا دیتے ہو، اور جب وہ چرا کر لے آتا ہے تو اسے چند سو روپے میں خرید لیتے ہو:"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے، یہ تمہاری اپنی پیش کش تھی:" خالد [illegible]ور چلا اٹھا۔

"چلو میری ہی سہی، لیکن تمہیں تو چوری کا مال خریدنے کے [illegible]ئے پولیس کو بلا کر ہمیں گرفتار کرانا چاہیے تھا:" فرزانہ بولی۔

"میں ابھی تمہیں گرفتار کراتا ہوں:" اس نے پھر فون کی طرف [illegible] بڑھایا۔

"ضرور کرو فون، کرا دو ہمیں گرفتار، ہم بھی تنگ آ گئے ہیں۔

ادھر اُدھر ٹکریں مارتے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا اور وہ انہیں اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ہونق ہوں۔

"آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" خالد منصور کے لہجے میں بیچارگی تھی۔

"کیا فواد ہاتی کی بیٹی کا ہار تم نے چوری کرایا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہار تو تمہارے پاس ہے، میں اسے کس طرح چوری کرا سکتا ہوں۔"

"وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا، ہم اس ہار کے بارے میں تفتیش کرتے پھر رہے ہیں، ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔"

"کیا کہا! تم تینوں کا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں! اب تم ذرا اس سیلزمین کو بلا لاؤ، جس نے وہ ہار فواد ہاتی کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔"

"پولیس اس سے پوچھ گچھ کر چکی ہے۔" اس نے کہا، وہ ابھی تک حیران تھا۔

"ہم بھی کرنا چاہتے ہیں اور الگ کمرے میں، تمہارے سامنے نہیں۔"

"اچھا! میں باہر چلا جاتا ہوں اور اسے اندر بھیج دیتا ہوں لیکن یہ محکمہ سراغرسانی نے بچوں کو کب سے ملازم رکھنا شروع کر دیا ہے؟"



"جب سے تم نے ہمیں دیکھا ہے۔"

"کیا آپ لوگوں کے پاس اپنے کارڈز ہیں؟"

"ہمارے کارڈ! شاید تمہیں ہماری بات پر یقین نہیں آیا، خیر تو سنو، ہم انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں، محمود، فاروق اور فرزانہ ہمارے نام ہیں، اب اگر تم نے وقت ضائع کیا تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔" آخر محمود نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے کہا۔

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ گیلے تھے، شاید ابھی ابھی دھو کر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں پر عینک تھی۔ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا۔ ناک پکوڑے کی طرح پھولی ہوئی اور آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اس نے تینوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر بولا:

"تم لوگ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو، میرا نام فرخ سیر ہے۔"

"وہ ہار تم نے ہی فواد ہاتی کے ہاتھوں فروخت کیا تھا، اگر تم اس ہار کو دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"ضرور پہچان لوں گا، کیونکہ وہ کئی ماہ تک شوکیس میں لگا رہا تھا، اتنے مہنگے ہاروں کے گاہک روز تو آتے نہیں۔" فرخ سیر نے بتایا۔

"بہت خوب! اس روز فواد ہاتی کے ساتھ ان کا ملازم اسلام دین بھی تھا، تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"ہاں! دیکھا تھا، اور میں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ وہ ہار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا، جیسے اسے آنکھوں کے ذریعے سے اڑا ہی تو لے گا۔" اس نے کہا۔

"ہوں! کیا تم جانتے ہو، دکان کا مالک چوری شدہ زیورات سستے داموں خرید لیتا ہے۔" محمود نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بات میں نے تمہارے منہ سے ہی سنی ہے، مجھے تو معلوم نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"اچھا! یہ بتاؤ ہفتے کے روز رات کو تم نے کیا کھایا تھا۔"

"جی! کیا مطلب۔ بھلا مجھے کس طرح یاد رہ سکتا ہے کہ تین دن پہلے میں نے کیا کھایا تھا۔" وہ حیران تھا۔

"اچھا! اب تم جاؤ اور خالد منصور کو بھیج دو۔"

"جی بہت بہتر!" اس نے کہا اور اٹھ کر جانے لگا۔ اچانک محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ذرا ٹھہرو!" وہ رک گیا۔ محمود چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر بولا۔

"جاؤ! کچھ نہیں۔"

اسے حیرت سی ہوئی، لیکن منہ سے کچھ نہ بولا اور کمرے سے نکل گیا۔



"یہ کیا بات ہوئی، تم نے اسے روکا، لیکن اس سے کہا کچھ بھی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یوں ہی ایک بات ذہن میں آئی تھی، لیکن پھر اس سے سوال کرنا مناسب معلوم نہ ہوا۔"

"وہ کیا بات تھی۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی، میں اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود اسے یہ بات کس طرح یاد رہ گئی کہ اسلام دین ہار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔"

"یہ کوئی بات نہیں! بعض لوگوں کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے۔" فاروق بولا۔

"لیکن اسے یہ بات یاد نہیں کہ تین دن پہلے اس نے کیا کھایا تھا۔" محمود مسکرایا۔

"ہم عجیب و غریب باتوں کو ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں، جب کہ روزمرہ کی باتوں کو فوراً بھول جاتے ہیں۔" فرزانہ نے جواب میں کہا۔

"یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔"

"خیر چھوڑو۔ آؤ چلیں۔" محمود نے کہا۔

"خالد منصور کو تو آ لینے دو، کہیں وہ یہ الزام نہ لگا دے کہ ہم اس کی دکان سے ایک ہار چرا کر بھاگ نکلے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

اسی وقت خالد منصور اندر داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑے

ہوئے۔

"اب ہم چلیں گے۔ تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ آئندہ چوری کا مال ہرگز کسی سے نہ خریدنا، بلکہ اسے پولیس کے حوالے کر دینا، ورنہ ہم کسی روز چھاپہ مار کر چوری شدہ مال برآمد کر لیں گے۔"

"بب .... بہت اچھا!" اس نے ہکلا کر کہا۔

تینوں اٹھے اور جانے کے لیے مڑے۔ اچانک محمود ٹھٹک کر رُک گیا۔ اس کی نظریں فرش پر جم گئیں جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا ہو۔

"کیا بات ہے، کیا فرش پر تمہاری کوئی چیز گر گئی ہے؟" فاروق بولا۔ لیکن محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

"یا اللہ رحم! ارے بھئی کیا نظر آ گیا ہے تمہیں؟" فرزانہ نے جھلّا کر کہا۔

"کچھ نہیں! آؤ چلیں۔"

باہر نکلتے ہوئے انہوں نے مڑ کر دیکھا، خالد منصور حیران اور پریشان سا کھڑا تھا۔

---



# ہار ملتا ہے

"تمہیں کیا ہو گیا تھا، فرش پر کیا دیکھ رہے تھے؟" باہر نکل کر فاروق نے پوچھا۔

"فرش بہت چکنا تھا، پالش کیا ہوا، میں اس میں اپنی صورت دیکھ رہا تھا۔" محمود نے جواب دیا۔

"کیوں! ہمارے گھر میں آئینہ نہیں ہے کیا؟" فرزانہ تنک کر بولی۔

"فرش میں اپنی صورت دیکھ کر میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کس حد تک بے وقوف ہوں۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر! کیا اندازہ لگایا؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی کہ ضرورت سے کچھ زیادہ بے وقوف ہوں۔" اس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آج تمہیں اپنی بے وقوفی کا اندازہ ہو گیا، میں تو پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم بے وقوف ہو، مگر تم میری بات مانتے ہی نہ تھے، ویسے یار! کیا وہ فرش جادو کا تھا جس میں دیکھتے ہی تمہیں یہ شاندار اندازہ ہو گیا، حالانکہ اس سے پہلے تم ہزاروں مرتبہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ چکے ہو گے۔"

"وہ فرش واقعی جادو کا تھا، کاش تم دونوں بھی اپنے چہرے اس میں دیکھ لیتے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں خود کو بے وقوف ثابت کرنے کا اتنا شوق نہیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر کتنا شوق ہے۔" محمود نے اسی کے انداز میں کہا۔

"لو! اب میری نقل اتارنے لگے۔" فاروق بولا۔

"اب ہمیں جلد از جلد فواد ہاتی کی کوٹھی پہنچنا ہے، ابا جان شاید سب لوگوں سے انٹرویو کر چکے ہوں گے۔"

"اور چور اور قاتل کے بارے میں اندازہ لگا چکے ہوں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں اور کیا! وہ محمود نہیں ہیں کہ فرش میں گھورنے لگ جائیں۔" فاروق ہنسا۔

"کیا خیال ہے، تم دونوں نے قاتل کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کیا یا نہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"شاکا کے علاوہ اور کون قاتل ہو سکتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں! یہ کام شہزاد ہاتی کا بھی تو ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا مطلب! وہ اپنی بھتیجی کا ہار چرائے گا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔



ہم نے اس کی مصروفیات کے بارے میں ابھی کچھ معلوم نہیں کیا، شاید یہ کام انکل اکرام نے کیا ہو، ہم ان سے پوچھیں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہزاد ہاتی ریس یا جوے کا عادی ہو اور اسے رقم کی ضرورت پڑتی رہتی ہو۔" فرزانہ نے اپنا خیال پیش کیا۔

"ہاں واقعی یہ ہو سکتا ہے۔" فاروق منمنایا۔

جلد ہی انہیں ٹیکسی مل گئی اور وہ کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے ٹیکسی سے اترتے ہی محمود ڈرائننگ روم کی طرف جانے کی بجائے باورچی خانے کی کھڑکی کی طرف چل پڑا۔

"ارے! تم کہاں جا رہے ہو۔"

"تم ڈرائننگ روم میں چلو! میں آتا ہوں۔" اس نے رُکے بغیر کہا۔

"شاید تم اکیلے اکیلے ہاتھ مارنے کی فکر میں ہو، لیکن ہم تم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔" فرزانہ نے کہا اور دونوں اس کے پیچھے لپکے، محمود کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں یہاں بھی فرش پر جمی تھیں۔

"یہ تم فرشوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"اس لیے کہ عرشوں تک اس کا ہاتھ نہیں جا سکتا۔" فاروق نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

"کبھی کبھی ہم بالکل سامنے کی بات نظر انداز کر دیتے ہیں۔" محمود نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

"لیکن اس وقت تو تمہارے سامنے کھڑکی ہے": فاروق بولا۔

"قاتل یہیں ٹھہر کر اسلام دین کا انتظار کیا کرتا تھا، اس جگہ سے قدموں کے نشانات اٹھائے گئے ہیں، اگر ہم اس کیس کے تمام متعلقین کے قدموں کے نشانات کو ان نشانات سے ملا کر دیکھیں تو کیا مجرم تک نہیں پہنچ جائیں گے؟" محمود نے اپنے خیال سے آخر انہیں آگاہ کر ہی دیا۔

"تجویز تو اچھی ہے، لیکن کیا ابا جان نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہو گا": فرزانہ نے کہا۔

"پتا نہیں، آؤ دیکھیں، وہ اب کیا کر رہے ہیں"

"تم نے بتایا نہیں، یہاں کیوں آئے تھے"

"قدموں کے نشانات ڈھونڈنے، لیکن ظاہر ہے، شاکا کی چیخ سننے کے بعد ہم سبھی اس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے تھے، اس لیے اس کے نشانات مٹ گئے ہوں گے": محمود نے کہا۔

"یہ ضروری نہیں! نشانات لینے والوں نے صرف کھڑکی کے نیچے سے نشانات نہیں اٹھائے ہوں گے، بلکہ قاتل جس راستے سے آیا ہے، اس راستے سے کھڑکی تک کے نشانات لیے ہوں گے، اس طرح اس کے نشانات ضائع نہیں ہوئے ہوں گے": اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس نے وہ جوتے ہی ضائع کر دیے ہوں تو ہم اس کا سراغ کس طرح پا سکیں گے": فرزانہ نے اعتراض کیا۔



"یہ کیس جتنا سیدھا سادا نظر آتا تھا، اتنا ہی پیچیدہ ہوتا نظر آتا ہے": فاروق بولا۔

"پھر کیا ہوا، پیچیدہ کیس حل کرنا ہی تو ہمارا شوق ہے": محمود مسکرایا اور تینوں ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے، پھر جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے دھک سے رہ گئے۔

اندر کا منظر عجیب تھا۔

○

کمرے میں گھر کے سب لوگ موجود تھے، انسپکٹر جمشید کے علاوہ وہاں سب انسپکٹر اکرام، سب انسپکٹر تنویر بخاری اور ایک حوالدار بھی موجود تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ضرور محمد حسین آزاد ہے، اس کا چہرہ چوڑا اور رنگ سرخ و سفید تھا، ہاتھوں پیروں کا سخت اور جاندار معلوم پڑتا تھا۔

قالین کے اوپر کمرے کے بیچوں بیچ جو میز بچھی تھی، اس پر اس وقت ایک ہار رکھا تھا اور بلب کی روشنی میں جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ ہار کو وہاں دیکھ کر ہی وہ دھک سے رہ گئے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ سن کر ایک پل کے لیے سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ابا جان! یہ ہار کیسا ہے؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"یہ وہی ہار ہے، جو چرایا گیا تھا، فواد ہاتی صاحب اور روبینہ ہاتی صاحبہ نے اسے پہچان لیا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"لیکن یہ ملا کہاں سے۔"

"کوٹھی کے گرد لگی باڑھ میں اُلجھا ہوا تھا، اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ فرار ہوتے وقت یہ قاتل کے ہاتھ سے گر گیا، یا پھر قاتل اور چور اس گھر کا ہی کوئی فرد ہے اور اس نے یہ بعد میں کسی وقت خوف زدہ ہو کر وہاں ڈال دیا۔"

"لیکن جو شخص ہار کے لیے قتل کر چکا ہے، بھلا وہ اسے کیوں پھینکے گا۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"خود کو پھانسی یا عمر قید سے بچانے کے لیے، آدمی جرم تو لالچ میں آ کر کر بیٹھتا ہے، لیکن بعد میں خوف زدہ ہو جاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن...." فرزانہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کے بعد گاڑی اٹک کیوں گئی؟" فاروق جھلا اٹھا۔

"لیکن سے آگے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کہیں یہ ہار نقلی تو نہیں۔"

"کیا مطلب؟" کئی چونکی ہوئی آوازیں اُبھریں۔

"ہو سکتا ہے، چور نقلی ہار یہاں پھینک گیا ہو، تاکہ ہار کی تلاش ختم کر دی جائے۔" فرزانہ نے کہا۔



"اوہ! یہ عین ممکن ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ہم اس ہار کو بخوبی پہچانتے ہیں، یہ ایک سال سے ہمارے پاس ہے اور پھر روبینہ بیٹی سے زیادہ اس کو کون پہچانے گا۔ یہ بالکل وہی ہار ہے۔" فواد ہاتی نے کہا۔

"آج کل اصل کے بالکل مطابق نقل تیار کر لی جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔" فواد ہاتی نے کہا۔

"شوبی جیولرز کے مالک کو یہاں بلوائیے، وہ آ کر ہار کو دیکھے گا۔" شہزاد ہاتی نے تجویز پیش کی۔

"بالکل ٹھیک! یہ بات وہی بتا سکے گا۔ اکرام تم شوبی جیولرز کے مالک کو یہاں آنے کے لیے کہو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور فون کرنے لگا۔

"وہ پہنچ رہا ہے۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ پھر سب انتظار کرنے لگے۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی بجی، شاکا نے جا کر دروازہ کھولا، آنے والا خالد منصور ہی تھا۔ وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو وہاں موجود دیکھ کر چونکا، پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تینوں بھی اسے غور سے دیکھنے لگے۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کو اس ہار کے لیے تکلیف دی گئی ہے، اسے دیکھ کر بتائیں، یہ اصلی ہے یا نقلی۔"

"یہ..... یہ کہاں سے ملا؟" خالد منصور نے ہکلا کر پوچھا۔

"کوٹھی کے گرد لگائی گئی باڑھ میں پھنسا ہوا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

وہ اسے غور سے دیکھنے لگا، جیب سے عدسہ نکال کر بھی معائنہ کیا، سورج کی شعاعوں کے سامنے رکھ کر بھی دیکھا۔ اس کی پیشانی پر بل سب صاف دیکھ سکتے تھے۔ آخر اس نے کہا۔

"میں کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔"

"کیا مطلب؟" عارف بھائی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"میں شوبی جیولرز کا مالک ضرور ہوں، لیکن ہیروں کی پہچان کا ماہر نہیں ہوں، اگر آپ مجھے فون پر بتا دیتے کہ اس مقصد کے لیے بلایا جا رہا ہے تو میں اپنے ایک سیلز مین کو لے آتا، وہ اس معاملے میں اپنا جواب نہیں رکھتا، صرف چند سیکنڈ بعد بتا دے گا کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔"

"خیر کوئی بات نہیں، اسے اب بلا لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے اور وہ فون کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا، آنے والا وہی سیلز مین تھا جس سے انہوں نے ملاقات کی تھی اور اس نے اپنا نام فرخ میر بتایا تھا۔ خالد منصور نے ہار اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ بتاؤ! یہ ہار اصلی ہے یا نقلی؟"



چند سیکنڈ تک وہ اس کا بغور معائنہ کرتا رہا اور پھر بولا:

"یہ ہار سو فیصد اصلی ہے۔"

وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔ فرزانہ کی بات سن کر سب کو یقین ہو چلا تھا کہ ہار نقلی ہو گا۔ لیکن وہ تو اصلی ثابت ہوا تھا۔ ہار مل گیا تھا، لیکن قاتل کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ اچانک انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے اور تیز آواز میں بولے۔

"اکرام! میں ابھی آتا ہوں، سب لوگ یہیں ٹھہریں، کوئی بھی باہر نہ جائے۔"

یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو اچانک کوئی خیال آیا، انہوں نے میز پر دیکھا، ہار میز پر نہیں تھا۔

"ارے! ہار کہاں گیا؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

---

# مجرم کون......

"ہار شاید ابا جان اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔
"سوال تو یہ ہے کہ یکایک انہیں ہوا کیا؟" محمود بولا۔
"یہ تو وہ آکر ہی بتا سکیں گے۔" فاروق نے کہا۔
اور پھر سب سوچ میں گم ہو گئے۔ آدھ گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید کی واپسی ہوئی۔ وہ آتے ہی صوفے میں گر گئے اور بولے:
"اس کیس نے کافی پریشان کیا، اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ چور اور قاتل کون کون ہو سکتا ہے۔ ہار ایک سال پہلے اس گھر میں آیا تھا، وہ ایک لاکھ روپے کا تھا، یہ بات گھر کے ہر آدمی کو معلوم تھی، سب سے پہلے میں فواد ہاتمی کو لیتا ہوں، اگر ہار کا بیمہ کرایا گیا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ شاید فواد ہاتمی صاحب نے خود ہی ہار غائب کر دیا ہے، انہوں نے یہ کام اسلام دین کے ذریعے کیا اور پھر اسے قتل بھی کر دیا، لیکن چونکہ ہار کا بیمہ نہیں کرایا گیا تھا اس لیے ان پر کسی صورت بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ نمبر دو پر روبینہ آتی ہیں، لیکن انہیں بھی ہار چرا کر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا



اب میری نظر شہزاد ہاتمی پر گئی، میں نے ان کے بارے میں معلومات کرائی ہیں، یہ فضول خرچی کے عادی ہیں، دوستوں میں بے تحاشہ دولت لٹاتے ہیں، فواد ہاتمی صاحب انہیں اتنا جیب خرچ نہیں دیتے کہ یہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹا سکیں، لہٰذا ادھر اُدھر سے قرض لیتے رہتے ہیں اور اب انہیں دوسروں کے ہزاروں روپے دینے ہیں اس لیے اس کا زبردست امکان ہے کہ ہار انہوں نے چرایا ہو، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہیں اسلام دین کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا۔"
"یہ غلط ہے، میں نہ چور ہوں، نہ قاتل۔" شہزاد ہاتمی چلا اٹھا۔
"خاموشی سے سنتے رہیے، ان کے بعد شک میں عرفان قادری آتے ہیں، یہ فواد ہاتمی کے دوست ہیں، لیکن کوئی کیا کہہ سکتا ہے، کہ کب دوست کی نیت خراب ہو جائے، لہٰذا یہ بھی چور اور قاتل ہو سکتے ہیں، رہ گئے عارف بھائی، یہ سیکرٹری ہیں، ان کی تنخواہ اگرچہ کافی ہے، لیکن مہنگائی کے اس دور میں آسانی سے گزارا نہیں ہوتا ہو سکتا ہے، انہوں نے سوچا ہو کہ کیوں نہ ہار چرا کر غربت دور کر لی جائے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک لمحے کے لیے رُکے۔
"اُف خدا! آپ تو سب کو قاتل اور چور بنائے دے رہے ہیں۔" عارف بھائی تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔
"ان سب کے بعد شاکا کا نمبر آتا ہے، مجھے سب سے زیادہ

شک اس پر گزرا، ہاتی صاحب کا ڈرائیور ہے، کئی سال کا ملازم
ضرور ہے، لیکن بعض اوقات برسوں پرانے ملازم بھی دھوکا دے
جاتے ہیں، یہ تھے گھر کے کل افراد جن پر چور اور قاتل ہونے
کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ چند لمحے کے لیے کمرے
میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

"تو آخر مجرم ہے کون، آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔" فوراً
ہاتی نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں! مجرم.... مجرم تو ان میں سے کوئی بھی نہیں۔" وہ بولے
"جی.... کوئی بھی نہیں.... تو پھر مجرم کون ہے، ہار کس نے
چرایا تھا، قتل کس نے کیا تھا؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"ہار جس نے چرایا تھا، قتل بھی اسی نے کیا تھا اور ہار اب
تک اسی کے پاس ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ابا جان! ہار تو آپ کے پاس ہے۔" فاروق نے بوکھلا
کر کہا۔

"وہ سو فیصد نقلی ہے جب کہ فرخ سیر صاحب کا کہنا یہ ہے
کہ یہ سو فیصد اصلی ہے، اور ان کے اس جھوٹ کے پکڑے جانے
کے بعد ہی میں یہ کہتا ہوں کہ اصل مجرم یہی ہیں۔"

"کیا!!!" سب ایک ساتھ چلائے۔



"جی ہاں! اکرام اسے حراست میں لے لو، میں ابھی ابھی شہر کے
سب سے بڑے جوہری کے پاس گیا تھا، اس کا کہنا ہے کہ یہ ہار
تو چار پانچ سو روپے سے زیادہ کا نہیں۔"

اکرام اور محمد حسین آزاد فوراً اٹھے اور انہوں نے فرخ سیر کو
پکڑ لیا۔ اس کا رنگ اڑ چکا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ادھر
انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے۔

"جب اس نے یہ کہا کہ یہ بالکل اصلی ہار ہے، میں اس کی
آنکھوں میں بغور جھانک رہا تھا، اور میں نے صاف محسوس کر لیا
تھا کہ اس نے سو فیصد جھوٹ بولا ہے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ
ہار میں نے چرایا ہے۔" فرخ سیر چلّا کر بولا۔

"ابا جان! ثبوت میں پیش کروں گا۔" اس موقعے پر محمود بول پڑا۔

"چلو تم ہی پیش کر دو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے اس کے کوٹ کے کندھے پر رنگ لگا دیکھا ہے
ان کی دکان پر یہ رنگ نہیں کیا گیا، بلکہ یہ رنگ ابھی حال ہی
میں اس کوٹھی میں کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے رات کے وقت
کھڑکی کے نیچے بیٹھے ہوئے اس کا کندھا دیوار سے لگ گیا تھا۔"

"بہت خوب! اور کچھ۔"

"میں نے مسٹر خالد منصور کے کمرے کے فرش پر قدموں کے کچھ

نشانات دیکھے تھے۔ جو جُوتے گیلے ہو جانے سے بنے تھے اور اس وقت فرخ سیر گیلے ہاتھ لیے اندر آیا تھا، شاید یہ نل پر کھڑا تھا اور آس پاس کی جگہ گیلی تھی جس سے اس کے جُوتے کے تلے بھی گیلے ہو گئے۔ ان نشانات میں اور کھڑکی کے آس پاس پائے جانے والے نشانات میں کوئی فرق نہیں، یہ نشانات میں تصاویر میں بغور دیکھ چکا ہوں۔"

"شاباش!" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"آج تو ساری شاباشیں محمود ہی ہتھیائے لیے جا رہا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تم باتیں بگھارتے رہے ہو نا۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اور تم کیا کر رہی تھیں۔ تم نے توجہ کیوں نہیں دی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں تمہیں باتیں بگھارتے سُن رہی تھی۔" فرزانہ بولی۔

"تم تھوڑی دیر کے لیے چُپ نہیں رہ سکتے۔" انسپکٹر جمشید جھلّا اُٹھے۔

"جی! جی ہاں رہ سکتے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں محمود! بس یا کچھ اور کہو گے۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"جی بس! مجھ میں کوئی اور شاباش وصول کرنے کا حوصلہ نہیں فاروق میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے گا۔" محمود نے کہا۔



"چلو میں وعدہ کرتا ہوں، ہاتھ دھوئے بغیر ہی پیچھے پڑ جاؤں گا۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر کوئی بات نہیں، اس کے خلاف سب سے بڑا ثبوت خنجر پر انگلیوں کے نشانات ہیں، دراصل اس کا خیال تھا کہ کسی کو بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آئے گا۔"

"ابا جان! اسے نقلی ہار کہاں سے ملا؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اس کی وضاحت مسٹر خالد منصور کریں گے۔" انہوں نے کہا۔

"ہم نے ہیروں کے تمام ہاروں کی نقل تیار کرا کے شوکیسوں میں رکھی ہوئی ہے، گاہکوں کو دراصل وہی ہار دکھائے جاتے ہیں۔ انہیں بتا دیا جاتا ہے کہ یہ دراصل نقلی ہیں، ان کے بالکل مطابق اصلی ہیرے کے ہار اندر سیف میں میرے پاس رہتے ہیں، جب کسی گاہک کو کوئی ہار پسند آ جاتا ہے تو میں سیف میں سے نکال کر خود اس کے حوالے کرتا ہوں، ملازم لوگوں پر تو بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے بتایا۔

"اب اصل ہار کہاں ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہو گا کہاں! فرخ سیر کے گھر سے برآمد کریں گے، ویسے خالد منصور صاحب.... اگر فرخ سیر آپ کے پاس وہ ہار اونے پونے فروخت کرتا تو کیا آپ خرید لیتے۔" فرزانہ نے اچانک کہا اور انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔ وہ خالد منصور کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا خالد منصور چوری کا مال خریدتے ہیں؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! ہم یہ تجربہ کر چکے ہیں۔"

"اوہ! پھر تو ان کے خلاف تفتیش کی جانی چاہیے۔ اگر یہ ایسا کرتے رہے ہیں تو ان کے خلاف کیس چلے گا، کیونکہ یہ چوروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے، فرخ سیر کو بھی انہوں نے ہی ہار چرانے کے لیے کہا ہو۔"

"نہیں نہیں.... میرا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، میں اس سے پہلے چوری کا مال ضرور خریدتا رہا ہوں اور اس کی سزا بھی بھگتنے کے لیے تیار ہوں، لیکن فرخ سیر کے منصوبے کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"کیوں فرخ سیر! کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"جی ہاں! ہار کی چوری سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر! چوری کا مال خریدنے کے جرم میں ان پہ مقدمہ ضرور چلے گا، یہ اپنی زبان سے اقرار کر چکے ہیں، لہذا اکرام انہیں بھی حراست میں لے لو۔"

"جی بہتر!" اکرام بولا۔

"ابا جان! ایک بات رہ گئی۔" فرزانہ کو جیسے اچانک یاد آیا۔

"وہ کیا؟"



"فرخ سیر کو اعلام دین کے ماضی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ تو یہی بتا سکے گا، کیوں فرخ.... تم بتاؤ گے، آخر تمہیں اس کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا جب کہ پولیس کے پاس بھی اس کا کوئی ایسا ریکارڈ نہیں تھا۔"

"میں بتاؤں گا، ضرور بتاؤں گا۔ انسان کو اس کے جرموں کی سزا مل کر رہتی ہے۔ کسی زمانے میں میں بھی شہباز جانی کا ساتھی تھا پھر اس نے چوری سے توبہ کر لی اور اس کے بغیر میں نے بھی چوری سے ہاتھ اٹھا لیا اور کوئی ملازمت تلاش کرنے لگا، کسی جگہ ملازمت کی ایمانداری سے کرتا رہا، اس طرح شومی جیولرز تک پہنچا۔ ایک روز فواد ہاشمی اپنی بیٹی کے لیے ہار خریدنے آیا تو ان کے ساتھ شہباز جانی بھی تھا۔ میں نے داڑھی کے باوجود اسے پہچان لیا اور اس نے مجھے، بس اسی روز میں نے پروگرام بنا لیا کہ ہیروں کا ہار شہباز جانی کے ذریعے اڑانا چاہیے، پھر میرے پاس ایک لاکھ کا ہار ہو گا۔ پچاس ہزار کا تو بک ہی جائے گا، اس طرح میں پچاس ہزار کا مالک بن جاؤں گا، میری اور میرے بیوی بچوں کی زندگی عیش سے گزرے گی۔ میں نے منصوبے پر فوراً ہی کام شروع نہیں کیا، ایک سال تک انتظار کرتا رہا تاکہ ہیروں کی بات پرانی ہو جائے اور کسی کا خیال مجھ تک نہ پہنچے..... لیکن.... لیکن میں نے ایک غلط خواب دیکھا تھا۔"

وہ خاموش ہو گیا، اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں۔

"مصیبت تو یہی ہے۔ ہر مجرم بعد میں پچھتاتا ہے، پہلے نہیں سوچتا۔" فرزانہ بولی۔

"اگر سب مجرم پہلے سوچ لیں تو ہمارا کیا بنے گا؟" محمود مسکرایا۔

"بنے گا کیا، آرام سے سکول جایا کریں گے۔ اب سکول بھر میں اوّل آتے ہیں جب مجرم ناپید ہو جائیں گے تو ہمیں پڑھنے لکھنے کا اور بھی زیادہ وقت ملے گا۔ اس طرح ہم ضلعے بھر میں اوّل آئیں گے ویسے مجھے تو یہ ناپید ہوتے نظر نہیں آتے۔ اب دیکھو نا، ہم کب سے ان کا تیا پانچہ کرنے میں لگے ہیں۔ لیکن تیا پانچہ تو کیا دو تیا بھی نہیں ہوا! ہو بھی کیسے، لالچ بہت بڑھ گیا ہے ہر کوئی راتوں رات دولتمند بن جانے کا خواہش مند بنتا جا رہا ہے۔ دولت کے مینار تعمیر کرنے کی فکر میں ہے، حالانکہ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ مینار دولت کے دیرپا نہیں ہوتے، مینار تو سیمنٹ، بجری اور سریے کے ہی ...."

انسپکٹر جمشید اگر فاروق کے سر پر ایک زور دار دھپ رسید نہ کر دیتے تو وہ نہ جانے کب تک بولتا چلا جاتا۔ دھپ کھاتے ہی وہ کرسی سمیت فرش پر لڑھک گیا۔ انسپکٹر جمشید، محمود، اور فرزانہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ جان بوجھ کر گرا ہے۔ اس لیے کسی نے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ آخر وہ خود ہی اٹھتے ہوئے بولا:



"توبہ ہے! ہمدردی تو اس دنیا سے اس طرح غائب ہو گئی ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، سینگوں کے بغیر بھی بیچارے گدھے کو ہی رہ جانا تھا۔"

"اگر اس سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو اپنے سینگ دے دو اسے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"میں تیار ہوں، ہائیں مگر.... میرے سر پر سینگ کب ہیں تمہاری طرح۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

اور وہ سب مسکرانے لگے، اکرام اور محمد حسین آزاد دونوں مجرموں کو لے کر دروازے کی طرف چل پڑے۔

---

## آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ مارچ کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۳

- شکیل انصاری کے دروازے کی گھنٹی بجی ۔
- دروازہ کھلتے ہی ان کی نظر تین آدمیوں پر پڑی، تینوں کے ہاتھوں میں کھلے خنجر چمک رہے تھے ۔
- شکیل انصاری کے جسم سے خون نکال لیا گیا ۔
- مجرموں نے ان کے جسم سے خون کیوں نکالا ۔
- مجرموں نے خون کا کیا کیا ؟
- ایک دلچسپ صورت حال ۔
- آپ کے کردار آخر خون کے سوداگروں کا سراغ لگا لیتے ہیں



## آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ مارچ کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۴

# قاتل قصبہ

مصنف : اشتیاق احمد

- محمود نے تھانے دار کی جیب سے بٹوہ اڑایا اور آگے بڑھ گیا۔
- تھانے دار ہال میں موجود ایک بھیانک آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گیا ۔
- اس کا خیال تھا کہ بٹوہ اس بھیانک آدمی نے چرایا ہے ۔
- بھیانک آدمی کون تھا ؟
- تھانے دار بھرے ہال میں محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کی تلاشی لیتا ہے ۔
- بٹوے کے چکر میں وہ پورے قصبے کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں ۔
- انھوں نے ایسا کیوں کیا — پڑھیے اور دنگ رہ جائیے

## آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ مارچ کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز

# سیاہ پوش

مصنف: اشتیاق احمد

- قصبہ تیموری میں ایک عجیب و غریب آفت نازل ہوئی۔
- اس آفت نے لوگوں کو سہما دیا۔
- وہ آفت کیا تھی؟
- اس آفت کی وجہ سے قصبے کی رونق ختم ہو گئی۔
- تفریحی مقام پر لاشیں ملنے لگیں۔
- ہر لاش کی پشت میں خنجر پیوست ہوتا اور خنجر پر سیاہ پوش لکھا ہوتا۔ سیاہ پوش کون تھا؟
- رونگٹے کھڑے کر دینے والا ناول۔



## آیندہ کتاب کی ایک جھلک

۲۰ مارچ کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

متفرق سلسلہ نمبر ۷

ایک جلد میں دو کتابیں

سپر مسٹری سیریز

# سپر میموری اور سپر سائنس

مصنف: سعید مختار

- سپر میموری: انسان کی یادداشت

چیونٹیاں اور یادداشت — یادداشت کیا ہے — انسان کے دماغ میں ہر بات کی ریکارڈنگ موجود رہتی ہے — [illegible]